نبیلہ ابر راجہ

میں گماں نہیں یقین ہوں

پانچویں قسط

وہ جہاں کی تہاں اپنی جگہ کھڑی رہی۔ چھت پہ چاند کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس ہلکی روشنی میں اس نے ایک سائے کو اپنی طرف بڑھتے محسوس کیا۔ زیان قدم پیچھے کی طرف موڑتی بالکل دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ آنے والا وہاب کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔ گویا اس کی چھٹی حس نے اسے بالکل درست سمت میں اشارہ دے کر خبردار کیا تھا۔

"زیان تم اس وقت یہاں... لگتا ہے میری طرح تمہیں بھی نیند نہیں آرہی ہے۔"

زیان جس طرف کھڑی تھی وہاب نے اس طرف دیوار پہ ایک بازو پھیلا دیا اب وہ اس کے سامنے دیوار بن کر خود بھی حائل تھا۔ وہ بہت دوستانہ انداز میں بات کر رہا تھا۔ زیان کی طرف سے جواب میں خاموشی طاری رہی۔

کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟" اس نے ایک قدم آگے کی بڑھایا تو زیان کو کوفت نے آن گھیرا۔

"میری کسی کے ساتھ کوئی ناراضی نہیں ہے" وہ رکھائی سے بولی۔

"پھر سارا دن تم اپنے کمرے سے کیوں نہیں نکلتی ہو میں جب بھی آتا ہوں تم غائب ہو جاتی ہو۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے" اس کی سرد مہری برقرار تھی۔ وہ چاہ رہی تھی وہاب آگے سے ہٹے تو وہ نیچے جائے۔ اگر اسے علم ہوتا کہ وہاب پہلے سے چھت پہ موجود ہے وہ اوپر کبھی نہ آتی۔

"مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی ہے میں جب بھی آتا ہوں تم جھٹ خود کو کمرے میں بند کر لیتی ہو جیسے میں کوئی آدم خور بلا ہوں۔"

"یہ میرا گھر ہے میں کمرے میں رہوں یا باہر بیٹھوں میری مرضی" وہ وہاب کو کوئی بھی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھی۔ وہاب کے ساتھ اس وقت ٹکراؤ اسے از حد کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔

"زیان لائف ایسے تو نہیں گزرے گی تم میری ہونے والی بیوی ہو۔ خود کو بدلو۔"

"کیا کہا تم نے... تمہاری اتنی جرات کہ تم مجھ سے یہ بات کہو۔" وہ شاکڈ تھی۔ حالانکہ اس نے عفت خانم اور وہاب کے مابین ہونے والی باتیں خود سنی تھیں پر وہاب نے آج تک کھل کر اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ صرف نظروں سے اسے جلاتا اور اس کی یہ معنی خیز پراسرار نگاہیں زیان کو سخت بری لگتیں۔ ابھی اس نے ایک دم اتنی بڑی بات کر دی تھی۔ رات کے اس سناٹے میں زیان کی آواز اچھی خاصی محسوس ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس کی آواز میں غصہ اور تیزی تھی۔

"زیان مجھے غصہ مت دلاؤ ویسے ہی زرینہ خالا نے حد کر دی ہے۔" وہاب منہ اس کے قریب لا کر جیسے پھنکارا تھا۔

"آئی سے گیٹ آؤٹ ورنہ میں حشر کر دوں گی تمہارا۔"

زیان میں اس وقت اچانک جانے کہاں سے جرات آگئی تھی ورنہ ابو کی وفات کے بعد اسے وہاب سے عجیب سا خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

"میں نے بہت برداشت کیا ہے صبر کے ساتھ" وہاب نے جھپٹ کر اس کا بازو اپنی مضبوط گرفت میں جکڑا۔

"میرا بازو چھوڑو" وہ نیچی آواز میں غصے سے غرائی۔

"نہیں چھوڑتا۔ انسان ہوں محبت کرتا ہوں تم سے۔ پیار کا اظہار کرنے کے لیے ترس رہا ہوں اور تم مجھے لفٹ ہی نہیں کرواتیں۔"

وہاب نے اس کا دوسرا بازو بھی پکڑ لیا جیسے اسے پورا یقین ہو کہ وہ کہیں نہیں جائے گی۔ زیان گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ وہاب سے اس درجہ قربت اعصاب پہ اثر انداز ہو رہی تھی۔ پر یہ اثر خوشگوار معنوں میں ہرگز نہیں تھا، منفی تھا۔

"میں جوان ہوں سینے میں دل رکھتا ہوں۔ میری عمر کے نوجوان بہت کچھ کرتے ہیں۔ مجھے بھی تمہارے ساتھ محبت کی وہ سب منزلیں طے کرنی ہیں۔" وہاب کی دست درازی بڑھ رہی تھی۔ زیان پیچھے ہوئی۔

"مجھے چھوڑ دو اور شرافت سے نیچے چلے جاؤ۔ ورنہ میں شور مچا دوں گی۔"

مکمل ناول

”تم کیا سمجھتی ہو شور مچا کر مجھ سے بچ جاؤ گی۔“ وہاب عجیب سے لہجے میں بولتا اپنا چہرا اس کے قریب لایا تو زیان نے سوچے سمجھے بغیر اس کے چہرے پہ تھوک دیا۔ صورت حال کو سمجھنے میں وہاب کو صرف چند لمحے ہی لگے اس کے بعد شیطان پوری طرح اس پہ حاوی ہو گیا۔ اس نے زیان کے منہ پہ اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا۔

”میں تو صلح و صفائی سے تمام معاملات طے کرنا چاہتا ہوں مگر اب تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ شادی سے پہلے ہی تمہیں دلہن بنا دوں۔“ وہ خون رنگ لہجے میں اس کے کان میں بولا۔

زیان کے دونوں ہاتھوں کو اس نے اپنے ایک ہاتھ میں جکڑ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے زیان کے منہ کو دبا رکھا تھا تاکہ وہ شور مچا کر کسی کو متوجہ نہ کر سکے اس لیے وہ اپنی من مانی نہیں کر پا رہا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پہ اس کا ہاتھ زیان کے منہ سے ہٹا تو اس نے زوردار چیخ ماری اور وہاب کے ہاتھ پہ اپنے دانت گاڑ دیے۔ وقتی طور پہ وہاب کی توجہ اس کی طرف سے ہٹی تو اس نے اونچی آواز میں پہلے بوا اور پھر زرینہ آنٹی کو پکارا۔

اس کی خوش قسمتی تھی کہ پہلی چیخ پہ ہی بوا متوجہ ہو گئیں۔ وہ تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر تسبیح پڑھ رہی تھیں جب زیان کی جگر پاش آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ ”بوا مجھے بچاؤ۔ زرینہ آنٹی پلیز بچاؤ۔“

بوا نے دل پہ ہاتھ رکھا۔ لائیٹ آ چکی تھی انہوں نے جوتے پہنے بغیر آواز کی سمت رخ کیا۔ زرینہ کا دروازہ اوپر جانے سے پہلے انہوں نے زوردار آواز میں دھڑ دھڑایا۔ وہ اس اچانک افتاد پہ ہڑبڑا کے بے دار ہوئیں۔

سب سے پہلے بوا اور ان کے پیچھے پیچھے زرینہ بیگم سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئیں۔ زیان نے جونہی چیخیں ماریں وہاب اسے چھوڑ کر بجلی کی تیزی سے غائب ہوا۔ بوا اور زرینہ کو زیان اکیلی چھت پہ روتی ہوئی ملی۔ وہ غصے اور خوف کی زیادتی سے کانپ رہی تھی بوا نے اسے فوراً ساتھ لپٹا لیا ”کیا ہوا میری بچی سب ٹھیک ہے ناں؟“

”بوا۔۔۔ بوا وہ وہاب۔۔۔!“ غصے اور شرم کی وجہ سے زیان اپنی بات مکمل نہ کر سکی۔ اس کی ادھوری بات میں جو معنی پنہاں تھے اس کو سمجھنے کے لیے کسی خاص عقل یا دلیل کی ضرورت نہیں تھی۔

زرینہ بیگم کو وہاب کی طرف سے پہلے ہی کسی گڑبڑ کی توقع تھی۔ اس کے تیور جارحانہ تھے وہ بپھرے ہوئے دریا کی مانند تھا جس پہ صبر اور جبر کا مزید کوئی بند باندھنا تقریباً ”ناممکن ہو گیا تھا۔ زیان جس کی ایک جھلک کی خاطر وہ چار سال سے خالا کے گھر کے چکر کاٹ رہا تھا آج اسے اکیلا پا کر وہ چھوڑنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھا۔ اسے پتا تھا زیان کو اس سے سخت نفرت ہے۔ زیان کے نسوانی پندار کو روند کر وہ ہمیشہ کے لیے اسے سرنگوں کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ پھر اس سے شادی سے انکار کی جرأت ہی نہ کر سکے۔ قسمت نے یہ موقعہ فراہم کیا تھا پر وہ اس موقعے سے زیان کے شور مچانے کی وجہ سے استفادہ نہ کر پایا۔ اور تیزی سے منظر سے غائب ہو گیا۔

”کیا ضرورت تھی اس وقت چھت پہ آنے کی۔ میں کہاں تک رکھوالی کروں تمہاری۔“ زرینہ زیان پہ غصے ہو رہی تھیں۔

”امیر علی خود تو مر گئے اپنی مصیبت میرے سر ڈال گئے۔ اچھا خاصا رشتہ طے کیا تھا تمہارا لیکن تم نے مان کے نہیں دیا۔ اب بھگتو۔۔۔ بچاؤ اپنی عزت۔۔۔ بناؤ میرا تماشا۔ میرے پاس ایک عزت ہی تو ہے لگ رہا ہے اس کی بھی نیلامی ہونے والی ہے۔“

بوا اور زرینہ کی مدد سے زیان چھت سے نیچے آ گئی تھی اب وہ تینوں بوا کے کمرے میں تھے۔ حیرت انگیز طور پہ روبینہ باہر نہیں نکلی تھیں شاید ان تک زیان کے شور مچانے کی آواز پہنچی ہی نہیں تھی اس لیے وہ مزے سے سو رہی تھیں۔

زیان رو رہی تھی۔ زرینہ گرج برس کے خاموش ہو گئی تھیں۔ کچھ بھی سہی بات پریشانی والی تھی۔ وہاب کی یہ گھٹیا حرکت نظرانداز کرنے والی نہیں تھی۔ اس نے ان کے گھر میں بیٹھ کر زیان کی عزت کی دھجیاں اڑانے کی ناکام کوشش کی تھی اس نے زرینہ کی تازہ تازہ بیوگی کا بھی خیال نہیں کیا تھا۔

”بوا مجھے بتاؤ کیا کروں میں؟“ زرینہ سخت پریشان تھیں لے دے کے بوا ہی تھیں جن سے وہ حال دل کہہ سکتی تھیں۔

”چھوٹی دلہن میں کیا بتاؤں میرا تو اپنا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ گھر میں عجیب عجیب باتیں ہو رہی ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات وہاب میاں نے کوئی اچھا کام نہیں کیا ہے۔ انہیں لگام ڈالنے کی ضرورت ہے۔“ بوا نے ڈرتے ڈرتے مشورہ دیا۔

”بوا مجھ اکیلی عورت کو وہاب تو وہاب، روبینہ آپا بھی آنکھیں دکھانے لگی ہیں۔ ان کی نظر امیر علی کی جائیداد پہ ہے اور ظاہر ہے زیان بھی ان کی بیٹی ہے۔ دونوں ماں بیٹا لالچ میں آ گئے ہیں۔“ زرینہ بیگم نے آج پہلی بار ان دونوں کے بارے میں ان کے تازہ عزائم کے بارے میں زبان کھولی تھی۔

”ہاں چھوٹی دلہن وہاب میاں نے مجھ سے بھی کرید کرید کر کچھ باتیں معلوم کرنے کی کوشش کی تھی میں نے آپ کے خاندان کا نمک کھایا ہے نمک حرامی نہیں کر سکتی۔“

”بوا، عفت خانم کو وہاب نے ذلیل کر کے نکال دیا ہے اور میں پہلے شاید زیان کی شادی وہاب سے کر دیتی بشرطیکہ اس کا جذبہ سچا ہوتا مگر اب میں خود نہیں چاہتی کہ وہاب اپنے ارادوں میں کامیاب ہو۔ میں امیر علی کو کیا منہ دکھاؤں گی مرنے کے بعد۔“ زرینہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

بوا حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ساری عمر زرینہ نے زیان سے نفرت کی تھی مگر شوہر کے گزرنے کے بعد ان کی شوہر پرستی ہنوز زندہ تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ امیر علی زندگی کے آخری ایام میں وہاب سے برگشتہ ہو گئے تھے انہوں نے زرینہ سے کہا تھا کہ وہ یہاں ان کے گھر میں وہاب کو مت آنے دیں۔ شاید وہ اپنی بیٹی کی خاموشی اور بے بسی سے بہت سی ان کہی باتیں از خود جان گئے تھے۔ اس لیے زرینہ نہیں چاہتی تھیں کہ امیر علی کی روح کو کوئی تکلیف ہو۔

زیان نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ آج زندگی میں پہلی بار زرینہ آنٹی نے اس کی سائیڈ لی تھی اس کے حق میں بات کی تھی۔ روتے روتے اس کے ہونٹوں پہ تلخ مسکراہٹ آ گئی۔ بہت دیر بعد جب زرینہ کچھ سنبھلیں تو وہاں سے آنے سے پہلے انہوں نے بوا کو زیان کے بارے میں بہت سی ہدایات دیں۔

”بوا فی الحال آپ زیان کو اپنے ساتھ ہی سلائیں۔ میں وہاب کو صبح دیکھوں گی اس وقت رات ہے سب سو رہے ہیں میں خوامخواہ ہنگامہ نہیں چاہتی۔“ بوا نے سر ہلایا۔ زیان بیٹھی رو رہی تھی۔ بوا نے اس کے سر کو تسلی دینے والے انداز میں تھپکا ”چلو بیٹا اب سو جاؤ تھوڑا۔“

”بوا میں آپ کے پاس سوؤں گی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ وہ ڈری ہوئی تھی۔

”ہاں زیان بیٹا میں تمہارے ساتھ ہی سوؤں گی۔ لیکن کب تک میں تمہیں بچا پاؤں گی۔ وہاب میاں کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ اب ان کی نظر تمہارے ساتھ ساتھ امیر میاں کی دولت پہ بھی ہے۔ لیکن تم انہیں پسند نہیں کرتیں۔ ناکامی کی صورت میں وہاب میاں کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ یا تو ان سے شادی کر لو یا پھر یہاں سے چلی جاؤ۔“ زیان رحمت بوا کی گرد بازو لپٹائے رو رہی تھی ان کے مشورے پہ ایک دم اس کے آنسو بہنا رک گئے۔

”میں وہاب مردود سے کسی صورت بھی شادی نہیں کر سکتی۔“ اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

”پھر تم یہاں کیسے رہو گی۔ چھوٹی دلہن خود مشکل میں ہیں انہوں نے مجھے خود اپنے منہ سے کوئی بات نہیں بتائی ہے لیکن میں سب جان گئی ہوں۔ وہاب میاں مرد ذات ہیں موقعہ پا کر پھر سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“ بوا متفکر تھیں۔

"میں کہاں جاؤں بوا میرا کون ہے اس دنیا میں" وہ اب سسک رہی تھی۔

"ایسا مت کہو میرا رب تمہارے ساتھ ہے۔ تم کوئی لاوارث یا بے سہارا نہیں ہو خود کو اتنا کمزور مت سمجھو۔" بوا کا دل اس کے دلگیر لہجے پہ کٹ سا گیا۔

"بوا اس اتنی بڑی دنیا میں کون ہے میرا۔ نہ ماں' نہ باپ' نہ کوئی بہن بھائی۔ زرینہ آنٹی میری شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں ہیں۔ رابیل' منال' آفاق سے میں نے کبھی قریب ہونے کی کوشش کی بھی تو انہیں مجھ سے زبردستی دور کیا گیا۔ انہوں نے آج تک مجھے بہن نہیں سمجھا۔" اس کے آنسو زورو شور سے بہہ رہے تھے۔ بوا ساتھ لگائے اسے تھپک رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

زیان کے شور مچانے پہ وہاب فوراً" نیچے اتر کر اپنے کمرے میں آگیا تھا۔ اسے ڈر تھا ابھی پورا گھر بے دار ہو جائے گا اسی لیے سب سے پہلے اس نے اپنے کمرے کا دروازہ لاک کیا پھر عجلت میں شب خوابی کا لباس پہنا اور چادر تان کر لیٹ گیا۔ لیٹنے سے پہلے وہ اپنے زخمی ہاتھ پہ کس کے رومال باندھنا نہیں بھولا تھا 'جہاں زیان نے اپنے دانت پوری قوت سے گاڑھے تھے۔ اس کا ہاتھ اچھا خاصا زخمی تھا ابھی تک ہلکا ہلکا خون نکل رہا تھا اور تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔

اسے نیچے آئے آدھا گھنٹہ ہو چلا تھا ابھی تک کسی نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ شاید خطرہ ٹل گیا تھا۔ ویسے اس نے سب کچھ پہلے سے سوچ لیا تھا اگر کسی نے زیان کے چیخنے کا سبب معلوم کیا اور اسے ذمہ دار ٹھہرانے کی کوشش کی تو وہ صاف مکر جائے گا۔ اس کے پاس اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے بہت سے دلائل تھے۔ سناٹے میں اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تو وہ چوکنا ہو گیا کہ ابھی کوئی دروازے پہ دستک دے گا پر وہ جو کوئی بھی تھا آگے نکل گیا تھا۔ یعنی اب وہ آرام کے ساتھ آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر سکتا تھا۔ اب اسے چھت پہ ہونے والی بدمزگی اور چھوٹی سے چھوٹی بات کے ساتھ اپنی ذلت بھی یاد آ رہی تھی۔ زیان نے اس کے منہ پہ پوری نفرت کے ساتھ تھوکا تھا۔ پھر سے یاد آنے پہ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"زیان میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تم کسی کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہیں رہو گی۔ تم نے جرات دکھا کر اچھا نہیں کیا ہے۔" خود کلامی کرتے ہوئے اس کی مٹھیاں سختی سے بھنچی ہوئی تھیں۔ مٹھی بند کرنے سے ہاتھ میں تکلیف ہونا شروع ہو گئی تھی۔ وہاب نے زیر لب زیان کو موٹی موٹی گالیاں دیں۔

☼ ☼ ☼
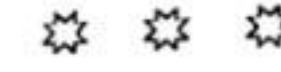
زرینہ خالا اس کے ہاتھ پہ بندھی پٹی کو معاندانہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ روبینہ بھی وہاں موجود تھیں۔ زرینہ نے رات والا واقعہ من و عن دہرایا تو وہاب غصے سے بھڑک اٹھا۔ حسب توقع اس نے تردید کی۔

"زرینہ تم تو میری ماں جائی ہو۔ وہاب پہ ایسا شرمناک الزام لگاتے ہوئے تمہارا دل نہیں کانپا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تم اتنا بدل سکتی ہو۔ آخر ہمارا قصور کیا ہے۔ اپنی سوتیلی بیٹی کی خاطر تم نے وہاب کا بھی لحاظ نہیں کیا حالانکہ یہی زیان تمہاری نظروں میں کانٹے کی طرح چبھتی ہے اب تم اس کی حمایتی بن کے آگئی ہو۔ وہاب ایسا نہیں ہے۔" روبینہ نے بہن کو بری طرح لتاڑا تو وہاب بھی شیر ہو گیا۔

"ہاں خالا آپ خود سوچیں مجھے ایسا کام کرنے کی 'بے صبری دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں بھلا زیان کے ساتھ ایسا کر سکتا ہوں۔ محبت کرتا ہوں میں اس سے اور اب تو ہماری شادی بھی ہونے والی ہے۔ میں اپنی ہونے والی بیوی کی عزت کیسے خراب کر سکتا ہوں۔" اس کی اداکاری اور ڈھٹائی قابل دید تھی۔ ایک ثانیے کے لیے تو زرینہ بھی چکرا گئیں۔ مگر جب نظر اس کے ہاتھ پہ باندھی گئی پٹی پہ پڑی تو زیان کی باتیں پھر سے یاد آنے لگیں۔ وہاب نے صبح اٹھتے ساتھ ہی سب سے پہلے ڈاکٹر کے کلینک کا رخ کیا تھا۔

"یہ تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا ہے۔ رات تک تو بالکل ٹھیک تھا۔" انہوں نے نظریں جما کر غور سے اسے دیکھا تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"صبح جب میں جاگنگ کے لیے نکلا تو بھاگتے بھاگتے لڑکھڑا گیا راستے میں پتھر پڑا تھا نیچے گرا تو ہاتھ پہ چوٹ لگی آتے ہوئے ڈاکٹر سے بینڈیج کروائی ہے۔" وہ ایسے فرفر بول رہا تھا جیسے ہر سوال کا جواب پہلے سے سوچ رکھا ہو۔

"تم زیان سے پوچھو۔ وہاب کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو ایسے ہی خوامخواہ الزام لگا رہی ہے میرے بچے پہ۔ میں خود پوچھوں گی اس سے۔" روبینہ کو یہ پوچھ پچھ پسند نہیں آ رہی تھی ادھر انہوں نے زیان سے پوچھنے کا قصد کیا ادھر وہاب کے چہرے پہ بے چینی پھیل گئی۔

"اماں چھوڑیں ناں بس اب۔ زیان نہ جانے کیوں چڑتی ہے مجھ سے۔ خیر شادی کے بعد خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے روبینہ سے زیادہ جیسے خود کو تسلی دی۔

"ہاں زرینہ میں تو کہتی ہوں کہ اب تم زیان کی شادی کر ہی ڈالو۔ میں شادی سادگی سے کرنے کے حق میں ہوں۔ میں تمہاری تنہائی کے خیال سے اتنے دن سے اپنا گھر چھوڑ کے بیٹھی ہوں۔ وہاب بھی تمہارے لیے فکر مند ہے۔ اس لیے آفس سے سیدھا ادھر چلا آتا ہے۔ لیکن ہم ماں بیٹا کب تک گھر سے دور رہ سکتے ہیں۔ تم میری مانو تو زیان کو وہاب سے بیاہنے کے بعد خود بھی میرے گھر آجاؤ۔ اتنا بڑا گھر ہے میرا یہاں تم اکیلی کیسے رہو گی۔" روبینہ کے لہجے میں بہن کے لیے مصنوعی فکر مندی تھی۔ زرینہ امیر علی کی موت کے بعد ان کے بدلتے رویے اور دل میں آنے والی لالچ سے باخبر نہ ہو چکی ہوتیں تو ان کی اس آفر پہ خوشی سے پھولے نہ سماتیں۔ اب یعنی روبینہ آپا اور وہاب یہ گھر ہتھیانے کے چکر میں تھے۔ یہ راہ ماں کو وہاب نے ہی دکھائی تھی۔

"میں عدت میں ہوں بعد میں اس پہ سوچوں گی" زرینہ نے بات ٹالی۔ وہاب نے روبینہ کو آنکھ سے اشارہ کیا۔

"ہاں زرینہ پھر کب میں وہاب کی بارات لاؤں؟" وہ پھر سے اصل موضوع پہ آگئیں۔

آپا میں ابھی دکھ اور صدمے میں ہوں۔ عدت بھی پوری نہیں ہوئی ہے اور آپ کو شادی سوجھ رہی ہے۔" وہ رکھائی سے بولیں تو روبینہ قدرے شرمندہ ہو گئیں۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ عدت سکون سے گزار لو پھر شادی بھی ہوتی رہے گی۔ کون سا وہاب یا زیان بھاگے جا رہے ہیں۔" روبینہ نے جیسے سکون کی سانس لی۔

"خالا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ امی کو یہاں آپ کے پاس چھوڑ کر خود گھر چلا جاؤں۔ اتنے دن سے ہمارا گھر بند پڑا ہے اور پھر میں نہیں چاہتا کہ رات پیدا ہونے والی غلط فہمی کی وجہ سے کسی کو باتیں کرنے کا موقعہ ملے۔ میں بیچ بیچ میں چکر لگاتا رہوں گا۔" وہاب نے بہت چالاکی سے خود کو عارضی طور پہ منظر سے ہٹانے کا پروگرام بنایا تھا۔ زرینہ دل میں بہت خوش ہوئیں۔ وہاب کی موجودگی سے انہیں ہمہ وقت خوف اور عدم تحفظ کا احساس ہوتا۔ اچھا تھا وہ کچھ عرصے کے لیے یہاں سے دفعان ہو جاتا۔ اس عرصے میں وہ اطمینان سے سوچ بچار کر سکتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

روبینہ کھانے کے بعد لیٹ گئی تھیں۔ وہیں لیٹے لیٹے آنکھ لگ گئی تو زرینہ جو ان کے پاس بیٹھی تھیں انہوں نے انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا اس طرح سوتا رہنے دیا۔ خود وہ آہستگی سے باہر آگئیں کیونکہ بوا نے ان سے اکیلے میں کوئی ضروری بات کرنی تھی۔ زرینہ انہیں ڈھونڈتی باہر نکلی ہی تھیں کہ وہ اسے اپنی طرف بڑھتی دکھائی دیں۔

"چھوٹی دلہن آپ میرے کمرے میں آجائیں" بوا کا انداز چوکنا اور رازدارانہ تھا۔ زرینہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ان کے ساتھ آگئیں۔ بوا نے کمرے کا

دروازہ بند کر کے جستی ٹرنک کھولا اور اس میں رکھا بوسیدہ برسوں پرانا خط نکال کر ان کی طرف بڑھایا۔ زرینہ نے سوالی نگاہوں سے پہلے خط اور پھر بوا کی طرف دیکھا بوا نے جواباً" انہیں خط پڑھنے کا اشارہ کیا۔

زرینہ خط پڑھ چکی تھیں۔ خط بھیجنے والے نے آخر میں اپنا نام نہیں لکھا تھا، پر پھر بھی زرینہ بیگم جان گئی تھیں کہ یہ خط بھیجنے والی ہستی کون ہے۔

"بوا آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہیں" زرینہ بیگم کی نگاہیں ہاتھ میں تھامے ہوئے خط پہ تھیں۔ ان کے چہرے پہ شدید ہیجانی کیفیت تھی۔

"چھوٹی دلہن خدا گواہ ہے میں نے خود کو اس گھرانے کا فرد سمجھا ہے اور کبھی نمک حرامی نہیں کی اس لیے جاننے کے باوجود میں نے اس خط کا جواب نہیں دیا کیونکہ یہ نمک حرامی ہوتی پھر امیر میاں بھی پسند نہ کرتے۔ لیکن اب میں سمجھتی ہوں کہ اس خط کے جواب دینے کا ٹائم آگیا ہے۔"

"بوا آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"چھوٹی دلہن اس خط کے آخر میں ایڈریس بھی لکھا ہوا ہے۔ یہ آپ کے مسئلے کا حل ہے۔ کیونکہ زیان، وہاب میاں سے کسی صورت کسی قیمت پہ بھی شادی کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔"

"میں خود بھی زیان کی شادی وہاب سے کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ اس کی نظر میرے گھر پہ ہے میرے بچوں کے حق پہ ہے۔ زیان سے شادی کی صورت میں وہاب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ میں اور میرے بچے در در کی خاک چھانیں گے وہ زیان سے بھی سب کچھ ہتھا لے گا۔ میں امیر علی کی روح کو کوئی تکلیف پہنچتے نہیں دیکھ سکتی۔" زرینہ کی آواز بھرا گئی۔ "اور یہ ایڈریس کا کیا چکر ہے۔" انہیں یاد آگیا کہ بوا نے خط کے آخر میں لکھے کسی ایڈریس کا ذکر کیا تھا۔

"چھوٹی دلہن آپ زیان کو اس کی ماں کے پاس بھیج دیں۔" بوا نے نہایت سکون سے جواب دیا "خط کے آخر میں پتا لکھا ہوا ہے میں اسی کی بات کر رہی تھی۔"

"بوا اتنے برس گزر چکے ہیں کیا پتا اب حالات کیسے ہیں۔" وہ تذبذب میں تھیں۔

"حالات بالکل ٹھیک ہیں۔" بوا پہلی بار سکون سے مسکرائیں۔

"آپ کو کیسے پتا بوا؟"

میری رشتے کی بھانجی صغریٰ اسی ساتھ والے گاؤں میں رہتی ہے جس کا پتا خط میں لکھا ہے۔ میں نے اسے ڈھکے چھپے الفاظ میں کچھ معلومات کروانے کو کہا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو اس گاؤں میں بھیجا۔ وہ سب کچھ دیکھ بھال آیا ہے۔ بس میں اس بات پہ اس جرات پہ شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کو اطلاع دیے بغیر یہ سب کیا؟" بوا کی نگاہوں میں شرمندگی تھی۔

"ارے بوا ایسی بات تو نہ کریں۔ آپ نے تو بیٹھے بیٹھے میرا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ میں جس کام کو مشکل سمجھ رہی تھی وہ اتنا ہی آسان ہو گیا ہے کیونکہ زیان کی طرف سے میں ازحد پریشان ہوں۔" زرینہ کا چہرا خوشی سے چمک اٹھا۔ وہ سچ میں خوش تھیں۔

"چھوٹی دلہن میں صغریٰ کو وہاں جانے کے لیے بولتی ہوں وہ سب حالات بتا دے گی ان شاء اللہ وہاں سے اچھی خبر ہی ملے گی۔" وہ پر امید تھیں "بوا کیا وہ زیان کو اپنے پاس رکھنے کے لیے تیار ہو گی؟ مطلب وہ لوگ اسے قبول کر لیں گے؟" زرینہ کا انداز خدشات سے بھرا تھا۔

"چھوٹی دلہن صغریٰ بہت تعریف کر رہی تھی کہ نیک اور خدا ترس لوگ ہیں بہت امیر بھی ہیں۔ باقی اللہ خوب جانتا اور سمجھتا ہے۔"

"بوا ہمیں جلدی جلدی زیان کو یہاں سے بھیجنا ہو گا۔ میں وہاب کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔"

"صغریٰ وہاں سے سب معلومات لے آئے پھر میں آپ کو بتاؤں گی۔"

"بوا آپ اس کام میں دیر مت کرنا" زرینہ لجاجت سے بولیں۔

"چھوٹی دلہن آپ اللہ سے دعا کریں بس" بوا نے انہیں تسلی دی۔

☆ ☆ ☆

بوا کی بھانجی صغریٰ بوا کے کہنے پر خود اپنے بیٹے کے ساتھ "ملک محل" میں موجود تھیں۔ صغریٰ نے من و عن جو کچھ بوا رحمت نے انہیں بتایا تھا سب کچھ ملک ارسلان اور عنیزہ بیگم کے گوش گزار کر دیا تھا۔ عنیزہ نے بمشکل اپنے جذبات کو قابو میں رکھا۔ صغریٰ نے انہیں بوا کا نمبر بھی دیا۔

صغریٰ اور نواز ان کی بھرپور مہمان نوازی کا لطف اٹھانے کے بعد جا چکے تھے۔ عنیزہ جس نے مشکل سے اپنے اعصاب کو کنٹرول کر رکھا تھا ان کے جاتے ہی بکھر گئیں اور ملک ارسلان کے سینے سے لگ کر رو پڑیں۔

"ملک صاحب! میرے جگر کا ٹکڑا کن حالوں میں ہے۔ مجھے خبر ہی نہیں۔ ہائے میرے جیسی بے خبر ماں دنیا میں نہ ہو گی۔" وہ روتے روتے یہی تکرار کر رہی تھیں۔

"مجھے اپنی بچی کو وہاں سے نکالنا ہے مجھے اس سے اور دور نہیں رہنا اب۔ مجھے میری بچی لا دیں ملک صاحب۔ مجھ پہ اور ظلم نہ کریں اپنی بچی سے دور رہ کر میں نے جو سزا کاٹی ہے وہ بہت کڑی ہے۔ ملک صاحب میری سزا ختم کر دیں۔ مجھے میری بچی چاہیے" عنیزہ پہ ہذیانی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

"وہ صرف تمہاری نہیں میری بھی بیٹی ہے میں خود اسے جا کر لاؤں گا۔ تم خود کو سنبھالو ورنہ میں بھی پریشان رہوں گا" ارسلان نے ان آنکھوں سے بھل بھل بہتے آنسو صاف کیے۔

"سچ آپ اسے لے آئیں گے؟" وہ انہیں بے یقینی سے دیکھ رہی تھیں۔ ارسلان کا دل کٹ سا گیا۔ اس عورت اس چہرے سے انہوں نے دنیا میں موجود ہر رشتے، ہر شے سے بڑھ کر محبت کی تھی وہ اس کے دکھ اس کے کرب سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس نے ان کے ساتھ شادی شدہ زندگی کا جتنا بھی عرصہ گزارا تھا جلتے تڑپتے سسکتے گزارا تھا۔ وہ ننگے پاؤں کانٹوں پہ چلی تھی۔ اس کے راستے کے خار چنتے چنتے ملک ارسلان کے اپنے ہاتھ زخمی ہو گئے تھے پر وہ شکوہ زباں پہ نہ لائے۔ ان کی محبت شکوے شکایتوں سے ماورا تھی۔ ساری عمر اس کی صدا یہ وہ آنکھ بند کر کے چلے تھے اور وہ اب بھی بے یقینی کا شکار تھی۔

"ہاں میں اسے۔۔۔ خود جا کر لاؤں گا اپنی بیٹی کو" وہ ان کے راستے کے خار ایک بار پھر سے چن رہے تھے۔

"کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا جہانگیر بھائی اور افشاں بھابھی کو!" ساری عمر بے یقینی کے عالم میں گزارنے کے بعد اب بھی اندیشوں کے ناگ انہیں اپنی طرف بڑھتے محسوس ہو رہے تھے۔

جہانگیر بھائی اور افشاں بھابھی کیوں اعتراض کریں گے۔ تم اتنے سال یہاں رہنے کے باوجود بھی ابھی تک ان کے مزاج کو سمجھ نہیں پائیں۔ انہوں نے نہنال آنے پہ بھی کچھ نہیں کہا، نہ کوئی سوال کیا ایک بار بھی تو لینے ہماری طرف نہیں آئے۔ ان کا دل بہت بڑا ہے۔ جہانگیر بھائی ہمدرد فطرت کے ہیں افشاں بھابھی بھی ان کا پرتو ہیں۔" ملک ارسلان نرم لہجے میں بولتے جیسے ان کے کانوں میں رس ٹپکا رہے تھے۔

"لیکن پھر بھی ہمیں ان کو بتانا چاہیے۔" عنیزہ نے رخ موڑتے ہوئے ان سے اپنے تاثرات چھپانے چاہے۔

"اچھا بابا آؤ ابھی بھائی جان کی طرف چلتے ہیں۔" ارسلان نے عنیزہ کو کندھے سے تھامتے ہوئے ان کا رخ اپنی موڑ کر اپنے مقابل کھڑا کیا۔

"تمہیں یاد ہے شادی کی پہلی رات میں نے تم سے ایک بات کہی تھی کہ "تم۔۔۔ تمہاری خوشی، تم سے وابستہ ہر رشتہ مجھے بہت عزیز ہے میں اس کی اتنی قدر کرتا ہوں جتنی تم کرتی ہو۔ کیونکہ میں نے محبت نہیں عشق کیا ہے تم سے۔"

"ملک صاحب مجھے سب یاد ہے۔"

"میں آج پھر وہی بات دہرا رہا ہوں کہ میں نے محبت نہیں عشق کیا ہے تم سے۔ وہ صرف تمہاری بیٹی نہیں بلکہ اب ہماری بیٹی ہے۔ میں کل بھی تمہارے

ساتھ تھا‘ آج بھی ہوں اور ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔ سچ ہے میں جب اللہ سے دعا مانگتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اے اللہ تو نے عنیزہ کو جس طرح اس دنیا میں میرے ساتھ رکھا ہے۔ مرنے کے بعد اس دنیا میں بھی میری محبوب بیوی ‘میری محبت کو میرا ہم سفر بنانا۔"

ملک ارسلان ان کی نم آنکھوں کی گہرائیوں میں بغور دیکھتے ہوئے انہیں اپنی محبت کا یقین دلا رہے تھے۔ عنیزہ ان کا دائیں ہاتھ تھام کر عقیدت سے لبوں تک لے گئیں۔ یہ ان کے اظہار محبت کا خاص طریقہ تھا۔ ان کی آنکھوں میں محبت و یقین کے ہزاروں دیے جگمگا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

عنیزہ صبح یونیورسٹی کے لیے تیار ہو کر نکلی تو ہلکی بوندا باندی کا سلسلہ جاری تھا۔ سورج کا آسمان پہ کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ گھنگھور گھٹاؤں نے پورے ماحول کو گویا اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دن چڑھنے سے پہلے شام ڈھل آئی ہو۔

عنیزہ نے یونیورسٹی میں قدم رکھا تو رکے رکے بادل پوری قوت اور شدت کے ساتھ برس پڑے۔ اس کا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا۔ وہ پریشانی سے ادھر ادھر اپنی ان دو کالج فیلوز کو ڈھونڈ رہی تھی جنہوں نے یونیورسٹی میں اس کے ساتھ ہی ایم اے اکنامکس میں داخلہ لیا تھا۔ وہ کیفے ٹیریا سے ابھی کافی فاصلے پہ تھی جب بادل شدت کے ساتھ گرجے اس نے اپنی جگہ پہ کھڑے کھڑے زور دار چیخ ماری۔ وہ درختوں کے سائے میں تھی اس لیے بھیگنے سے کافی حد تک محفوظ تھی۔ لیکن بادل گرجتے ساتھ ہی اس نے درختوں کے جھنڈ سے باہر کی طرف دوڑ لگائی۔ کیونکہ اس نے سن رکھا تھا کہ درختوں پہ آسمانی بجلی گرتی ہے اور جس خوفناک آواز میں ابھی بادل گرجے تھے اسے ڈر لگ رہا تھا کہ بجلی بھی لازمی گرے گی۔ بھاگتے ہوئے اپنی دھن اور پاؤں کیچڑ میں پھسلنے کی وجہ سے وہ خود بھی گرنے والی تھی جب کسی نے پاؤں اپنی ٹانگ سمیت آگے کرتے ہوئے اسے کیچڑ بوس ہونے سے بچا لیا وہ فوراً اپنے قدموں پہ سنبھلی۔

"یا وحشت آپ کے پیچھے ملک الموت تھا جو اندھا دھند بھاگ رہی ہیں آپ۔" وہ جو کوئی بھی تھا اسے ڈانٹ رہا تھا۔ عنیزہ نے خفت سے نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ لمبے چوڑے سراپے پہ پرکشش چہرا اور شرارتی آنکھیں سجی تھیں۔ یہ ملک ارسلان کے ساتھ اس کا پہلا تعارف تھا۔

وہ اسی یونیورسٹی میں ایم بی اے کا اسٹوڈنٹ تھا۔ ان کے درمیان تعارف کے ابتدائی مراحل بہت جلد طے ہوئے۔ ملک ارسلان پنجاب کے زمین دار خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس سے بڑا ایک بھائی اور تھا۔ حال ہی میں اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ ملک ارسلان کا بڑا بھائی شادی شدہ اور دو چھوٹے چھوٹے بچوں کا باپ تھا۔ ملک ارسلان یہاں شہر میں پڑھائی کی غرض سے مقیم تھا اور ایک شاندار گھر میں اس کی رہائش تھی۔ وہ دو ماہ میں ایک بار گاؤں جاتا اور سب سے مل کر آجاتا۔

تھوڑے عرصے میں ہی وہ عنیزہ کے ساتھ بے تکلف ہو گیا۔

عنیزہ کی والدہ حیات نہیں تھیں صرف والد تھے جنہوں نے اسے ماں بن کر پالا تھا۔ وہ اکلوتی اولاد تھی بہت ساری محبت اور توجہ سمیٹنے کے باوجود بھی خود کو اکیلا محسوس کرتی۔ اس اکیلے پن کے احساس کو کم کرنے کے لیے اس نے بہت ساری سہیلیاں بھی بنا رکھی تھیں۔ لیکن سارا دن ان کے ساتھ گزارنے کے باوجود بھی وہ خود میں تشنگی محسوس کرتی۔

ملک ارسلان کا یونیورسٹی میں ملنا تھا تعارف بے تکلفی اس کے لیے زندگی کا دلچسپ ترین تجربہ تھا۔ ملک ارسلان اس کے ساتھ اپنے گاؤں بھائی بھابھی اپنے بھتیجوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور شرارتوں تک کو بھی شیئر کرتا۔ اسے ارسلان کا بولنا بہت اچھا لگتا تھا۔

☼ ☼ ☼

عنیزہ دھڑکتے دل کے ساتھ فون کان سے لگائے

ہوئے تھیں۔ وہ برسوں بعد بوا رحمت کی آواز سننے والی تھیں۔ بالآخر ان کا انتظار تمام ہوا۔ اب بوا سے ان کی بات ہو رہی تھی۔

"بوا آپ نے بہت دیر کر دی۔ میں تو سمجھتی تھی کہ آپ میرے دکھے دل کی پکار کو سن لیں گی۔ میں اپنی بچی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ترستی رہی۔ میں اس کے لیے کتنا روئی ‘کتنا تڑپی آپ کبھی نہیں جان پائیں گی۔ وہ صرف خط نہیں تھا ایک ماں کی حسرتوں کا نوحہ تھا الفاظ کی صورت میں نے اپنا دل چیر کر رکھا تھا۔ پر آپ کو کیا اندازہ ممتا کا کیونکہ آپ کا دامن اس جذبے سے خالی جو رہا" بوا کے دل پہ گھونسا سا لگا کچھ بھی تھا انہوں نے زیان کو ماں بن کر ہی پالا تھا۔

"ایسا مت کہیں۔ میری اپنی مجبوریاں تھیں جن کے بوجھ تلے میں سسکتی رہی ورنہ آپ کے اس خط نے میرے ضمیر پہ بہت کوڑے برسائے ہیں۔ لیکن میں بھی تو ایک ملازمہ۔ میرے اختیارات محدود تھے۔" بوا کی آواز میں نمی در آئی تو عنیزہ کو اپنے الفاظ کی کڑواہٹ کا اندازہ ہوا۔ انہوں نے فوراً" بات کا رخ بدل دیا۔

"میری بچی کیسی ہے؟ خوش ہے ناں؟"

"ہاں بہت خوش ہے۔" بوا کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ انہوں نے عنیزہ کے ساتھ بات چیت ختم کی تو زیان کو انتظار میں پایا۔ ابھی انہیں زیان کے ضروری سامان کو پیک کرنا تھا۔ جب سے بوا اور زرینہ آنٹی نے اسے اس کی ماں کے پاس روانہ کرنے کی بات کی تھی وہ پہلے سے بھی زیادہ خاموش ہو گئی تھی۔ ابھی بھی وہ رو رہی تھی۔

"بوا میرا کوئی نہیں ہے ناں ابو کے بعد۔ میرا کوئی گھر نہیں ہے ناں؟" وہ بچوں کی طرح استفسار کر رہی تھی۔

"زیان بیٹا اب تم نہ اکیلی ہو نہ بے گھر ہو تمہاری ماں ہے اور تمہارے حصے کی محبت ‘خوشیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔ وہ دونوں میاں بیوی اکیلے ہیں اس میں بھی قدرت کی مصلحت ہے کہ رب کو ان کی ممتا کی پیاس تم سے ہی بجھانی منظور ہے۔"

"مجھے نفرت ہے ان سے۔ اتنے برس وہ کہاں تھیں پہلے۔ میں قطرہ قطرہ مری ہوں۔"

زیان پہ ہذیانی کیفیت یکایک طاری ہوئی۔ یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جانے کا فیصلہ اتنا آسان نہیں تھا۔ یہاں سے جانا اسے کانٹوں پہ چلنے کے مترادف محسوس ہو رہا تھا۔ پر بوا نے زمانے کی اونچ نیچ سمجھاتے ہوئے جو تلخ حقیقت بیان کی تھیں وہ بھی اپنی جگہ کم سنگین نہیں تھی۔ وہ یہاں رہتی تو اسے ہر حال میں وہاب سے شادی کرنی پڑتی جو کہ اسے منظور نہیں تھا۔ اب امیر علی بھی نہیں تھے جن کی وجہ سے طوہاً" کرہاً" وہ یہاں رہنے پہ مجبور تھی۔

زندگی گرداب میں گھری ہوئی تھی آگے کنواں پیچھے کھائی تھی۔ زرینہ بیگم نے اس کے یہاں سے جانے کے عمل کی حمایت کی تھی۔ کچھ بھی تھا انہیں وہاب کی دست درازی پسند نہیں آئی تھی کم سے کم وہ اپنی ماں کے پاس ایسی صورت حال سے محفوظ رہتی۔ مگر کوئی زیان سے پوچھتا وہ کس دل سے یہاں سے جا رہی تھی۔ بوا کے لاکھ نرمی سے سمجھانے کے باوجود اس کی نفرت اور دل کا زہر جوں کا توں تھا۔ بوا کو امید تھی کہ آنے والے وقت میں اپنی ماں کے ساتھ اس کے تعلقات معمول پہ آجائیں گے۔ ماں کے ساتھ رہنے سے اس کی ممتا کی نرمی محسوس کرنے سے جلد یا بدیر اس کی نفرت کا خاتمہ ہو جاتا تھا۔

"بس اب تمہیں رونے دھونے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" بوا نے اسے چمکارا۔

"بوا میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی؟" بے بسی سی بے بسی تھی اس کے لہجہ میں۔

"میں آؤں گی تم سے ملنے" انہوں نے آنکھوں میں در آنے والے آنسو پلکوں کی باڑھ پہ ہی روک لیے۔

"بوا سچ‘ آپ آیا کریں گی وہاں؟" اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

"ہاں زندگی نے مہلت دی تو ضرور آؤں گی۔"

"ہوا آپ میرے ساتھ ہی چلیں ناں۔ یہاں کیا کریں گی؟" وہ بچوں کی طرح ٹھنکی۔

"میں نے ساری عمر یہاں گزار دی ہے۔ اب اس گھر کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ اب میری میت ہی یہاں سے جائے گی۔ یہاں چھوٹی دلہن ہے۔ آفاق' رابیل' منااہل ہیں۔ میں ان کو اکیلا چھوڑ کر کیسے جاؤں۔"

ان کا چہرہ محبت کی روشنی سے جگمگ کررہا تھا' اس محبت سے جو انہوں نے اس گھر کے مکینوں سے 'بے غرض ہو کر بغیر کسی صلے کی تمنا کے کی تھی۔ زیان محبت سے بے تاب ہو کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

تھوڑی دیر بعد بوا زیان کے کپڑے اور دیگر چیزیں سوٹ کیس میں رکھ رہی تھیں۔ وہ ان کے پاس بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی۔ کل اسے یہاں سے چلے جانا تھا۔ وہاب کی طبیعت خراب تھی اس لیے شام کو روبینہ اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ بوا اور زرینہ دعا کررہی تھیں کہ زیان آرام و سکون سے چلی جائے۔ بعد میں جو ہوتا دیکھا جاتا۔ فی الحال وہاب کا لاعلم رہنا ضروری تھا۔

☼ ☼ ☼

مرے دل میرے مسافر
ہوا حکم پھر سے صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ نگر نگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
کسی یار نامہ بر کا
ہر ایک اجنبی سے پوچھیں
جو پتا تھا اپنے گھر کا
سر کوئے ناشناسیاں
ہمیں دن سے رات کرنا
کبھی ان سے بات کرنا
تمہیں کیا کہوں کہ کیا ہے
شب غم بری بلا ہے
ہمیں یہ بھی تھا غنیمت
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا مرنا
اگر ایک بار ہوتا۔

زیان جانے کے لیے تیار تھی۔ آفاق' رابیل' منااہل اسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ زرینہ نے انہیں ابھی کچھ دیر پہلے ہی زیان کی یہاں سے روانگی کا بتایا تھا۔ وہ تینوں ابھی اتنے سمجھ دار نہیں تھے کہ انہیں کھل کر کچھ بتایا جاتا۔ زیان نے ان کے ساتھ اب تک کی تمام عمر گزاری تھی لیکن ان میں بہن بھائی والی مخصوص محبت یا چاہت پیدا نہیں ہوپائی تھی پر ابھی جب وہ زیان کو روانگی کی تیاری کرتے دیکھ رہے تھے اس کا دل کررہا تھا تینوں کو گلے لگا کر روئے۔

ملک ارسلان اپنے ڈرائیور اور ایک گارڈ کے ساتھ زیان کو لینے پہنچ چکے تھے۔ بوا ان کو یہاں کے حالات اور وہاب کے بارے میں مختصراً" بتا چکی تھیں اس لیے وہ احتیاطاً" کسی بھی بدمزگی سے نمٹنے کے لیے گارڈ کو ساتھ لائے تھے جو مسلح تھا۔ وہ جس شاندار گاڑی میں زیان کو لینے آئے تھے اس نے بوا سمیت زرینہ بیگم کو بھی مرعوب کیا تھا۔

زیان نے انہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ انتہائی باوقار اور شاندار شخصیت کا مالک درمیانی عمر کا یہ مرد اس کے لیے اجنبی تھا اس نے کسی خاص جذبے کا اظہار نہیں کیا۔ ملک ارسلان نے تب خود ہی آگے بڑھ کر تعارف کروایا اور اس کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرا۔ زیان نے موہوم سی گرم جوشی سے ان کے سلام کا جواب دیا تو وہ مسکرائے وہ اس کے غیرت بھرے ردعمل کے پس منظر سے آگاہ تھے اس کا یہ ردعمل عین فطرت تھا۔ اس کا مختصر سا سامان گاڑی میں منتقل ہوچکا تھا۔ وہ سب سے ملی۔ ایک نئی منزل اڑان بھرنے کے لیے اس کا انتظار کررہی تھی۔

☼ ☼ ☼

عنیزہ صبح سویرے جاگ گئی تھیں۔ بے چینی اور خوشی حد سے سوا تھی۔ عنیزہ نے سب سے پہلے نیناں کو بتایا کہ میری بیٹی آرہی ہے پورے گھر کی صفائی کروانی ہے اور نئے پردے بھی لگانے ہیں۔ اس نے فوراً" یہ کام اپنے ذمہ لیا۔ کوئی دیکھتا تو پہچان نہ پاتا کہ لان کے عام سے سوٹ میں ملبوس خوب صورت اسٹائل میں تراشیدہ بالوں کو باندھے سر پہ دوپٹا اوڑھے نوکرانیوں کے کام کو چیک کرنے والی یہ لڑکی رنم ہے۔

وہ پہلے سی اب رہی بھی کہاں تھی۔ وہ اب عام سی مڈل کلاس لڑکی لگتی تھی۔ نہ وہ اسٹائلش ڈریسنگ نہ سب سے ممتاز کرتا رکھ رکھاؤ' نہ نزاکت اور نخرا۔ یہ تو نیناں تھی۔ حالات اور زمانے کی ستائی بے آسرا بے سہارا لڑکی جس کا دنیا میں آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ ملک ارسلان اور عنیزہ ترس کھا کر جسے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ عنیزہ نے یہاں اس پہ کمال مہربانی کرتے ہوئے اس کے سپرد چھوٹے موٹے کام کیے تھے۔ مثلاً" نوکرانیوں کے کام کو چیک کرنا۔ باغ کے پودوں کو دیکھنا کہ آیا ان کی درست دیکھ بھال ہورہی ہے کہ نہیں۔ اسی نوعیت کے اور چھوٹے موٹے کام تھے۔ جو ہر لحاظ سے حویلی میں کام کرنے والوں کے نزدیک باعزت تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ اپنی حیثیت سے واقف تھی۔ اس نے سب کے اچھے برتاؤ دیکھ کر دل میں کسی خوش فہمی کو جگہ نہیں دی تھی۔

فارغ ہو کر عنیزہ کے پاس بیٹھ جاتی۔ وہ سارا دن "ملک محل" میں آنے والی عورتوں کے دکھڑے اور مسائل سنتیں ان کا حل نکالتیں۔ نیناں کو یہ کام بہت دلچسپ لگتا۔ ہر عورت کے پاس الگ ہی موضوع ہوتا۔ جو دوسری عورت کے مسئلے سے بالکل ہی جدا ہوتا۔ اس نے شہر میں نازونعم میں زندگی گزاری تھی۔ مسائل' مشکلات' غربت' بیماری' دکھ' تکلیف اور آفت کیا ہوتی ہے اسے ان باتوں کا ہرگز اندازہ نہ تھا۔ یہ سب اس کے لیے ایلس کی "ونڈر لینڈ" جیسا تھا۔

عنیزہ آج بے پناہ خوش تھیں۔ صبح صبح ہی انہوں نے اسے اپنی بیٹی کی آمد کی نوید دی تھی۔ اسے یہاں آئے ایک ماہ سے اوپر ہوچلا تھا اس دوران اس نے ان کی بیٹی کی ایک جھلک تک نہ دیکھی تھی نہ ذکر سنا تھا۔ وہ جاننے کے باوجود بھی ان سے پوچھ نہ پائی۔ پوری حویلی لشکارے مار رہی تھی۔ عنیزہ نے گھوم پھر کر پورے گھر کا خود جائزہ لیا۔ حویلی کی اوپری منزل پہ انہوں نے اپنی بیٹی کے لیے بطور خاص کمرا تیار کروایا تھا۔ جس کی سجاوٹ اور فرنیچر دیکھنے کے لائق تھا۔

جابہ جا کمرے میں تازہ پھول بہار دکھا رہے تھے اور خود عنیزہ آج بہت اہتمام سے تیار ہوئی تھیں۔ دونوں کلائیوں میں موتیے کے گجرے سجائے ارسلان کی پسند کا سوٹ زیب تن کیے خود کو خوشبو میں بسائے عنیزہ کسی نو عمر دوشیزہ کی مانند پرجوش اور تروتازہ لگ رہی تھیں۔

نیناں باغ میں تھی۔ دور دور تک ہریالی کی چادر بچھی تھی۔ وہ پھول توڑتے ہوئے عنیزہ ملک کی بیٹی کے بارے میں سوچ رہی تھی جس کے استقبال کی تیاریاں ایسے ہو رہی تھیں جیسے کسی ریاست کی شہزادی آرہی ہو۔ کچھ دیر کے لیے اسے عنیزہ ملک کی بیٹی سے حسد سا محسوس ہوا۔ اسے پاپا یاد آگئے تھے۔ ان کے یاد آتے ہی دل پہ جیسے بھاری بوجھ آن گرا۔

ویسے نیناں یعنی رنم نے بہت جلد حویلی کے رنگ ڈھنگ اپنا لیے تھے۔ یہاں کا ماحول شہر سے یکسر مختلف تھا۔ لیکن اس فرق میں اسے ایڈونچر اور کشش محسوس ہوتی۔ گھٹی بندھی زندگی سے یکسر مختلف۔ وہ یہاں ایک عام سی لڑکی تھی بے سہارا۔ بے آسرا' عنیزہ ملک نے اپنے تئیں اسے ہر ممکن سہولت دینے کی پوری کوشش کی تھی۔

وہ نوکرانیوں کو ہدایت دیتی ان کی نگرانی کرتی تو اس میں بھی اسے لطف آتا کیونکہ اس کے اندر کی رنم سیال زندہ تھی جو احمد سیال کی لاڈلی نازوں پلی بیٹی تھی۔ اسے رات کی تنہائیوں میں ان کی یاد آتی تو دل میں ہوک سی اٹھتی انہوں نے اس کی ذرا سی بات تک نہ مانی تھی۔ مان لیتے تو آج یہاں نہ پڑی ہوتی شادی کر کے اپنے شوہر کے ساتھ ہوتی۔ سب کچھ ہونے کے باوجود وہ لاوارثوں کی طرح یہاں پڑی تھی۔ اور وہ خود

منوں مٹی تلے جا سوئے تھے۔ پھول توڑتے ہوئے کوئی کانٹا اس کے ہاتھ میں چبھا تھا جس نے تکلیف کے احساس سے دوچار کرنے کے ساتھ ساتھ پاپا کی یادوں کے حصار سے بھی نکالا۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا آنسو اس کی آنکھوں میں نہ آتے۔

☼ ☼ ☼
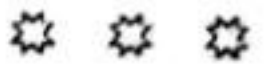
سنگ مرمر کی سفید عمارت ان کی منزل ثابت ہوئی۔ یہ عمارت دور ہی سے مکینوں کی امارت اور خوشحالی کا اعلان کر رہی تھی۔ اس میں قدم رکھتے ہی زیان کو بہت سی باتوں کا اندازہ ہو گیا۔ لینڈ کروزر جس میں بیٹھ کر وہ یہاں پہنچی تھی 'رہائشی حصے سے باہر کھڑی تھی زیان کا مختصر سا سامان اس میں سے نکال کر اندر پہنچایا جا چکا تھا۔

عنیزہ اس کے استقبال کے لیے منقش دروازے کے پاس ہی کھڑی تھیں۔ سفید سنگ مرمر کی اس عمارت کی طرح ان کی شخصیت بھی بے انتہا شاندار تھی۔ ان کے ساتھ باوقار سی ایک اور خاتون بھی تھیں یہ افشاں بیگم تھیں۔ عنیزہ کو دیکھتے ہی زیان کے دل نے خاص گواہی دی کیونکہ ان کے چہرے پہ محبت ہی محبت تھی ممتا کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ انھوں نے دونوں بازو کھولتے ہوئے بڑھ کر زیان کو سینے سے لگا لیا۔ وہ اس کے چہرے 'ہاتھوں' بالوں اور ماتھے پہ دیوانہ وار بوسے دے رہی تھیں۔

"میری بچی میری زیان مجھے امید نہیں تھی کہ جیتے جی میں تمھیں دیکھ پاؤں گی۔" وہ اسے سینے سے چمٹائے بولتے ہوئے روتی جا رہی تھیں۔ افشاں بیگم اور ساتھ کھڑی نوکرانیوں کی آنکھیں اس جذباتی منظر پہ خود بہ خود ہی بھیگ گئی۔

عنیزہ نے طویل عرصے بعد اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھا تھا برسوں تڑپی تھیں اور آج وہ حقیقت بن کر ان کے سامنے کھڑی تھی۔ ان کی ممتا امنڈی پڑ رہی تھی۔ لیکن زیان بالکل نارمل انداز میں ملی۔ عنیزہ کی جذباتی دل گرفتہ کیفیت نے اس کے اندر وہ خاص جذبہ پیدا نہیں کیا 'جو برسوں بعد ماں سے ملنے والی بیٹی کے دل میں ہونا چاہیے تھا۔ عنیزہ کے بعد افشاں بیگم نے بھی اسے سینے سے لگایا اور اس کے ماتھے پہ بوسہ ثبت کیا۔ زیان نے اچھے طریقے سے ان سے خیر خیریت دریافت کی 'افشاں بیگم کے چہرے پہ زیان کو دیکھتے ہی متاثر ہونے والی خاص کیفیت پیدا ہوئی تھی جسے مرعوبیت کا نام دیا جا سکتا تھا۔

سب نوکرانیوں نے فردا" فردا" اسے سلام کیا۔ عنیزہ ساتھ ساتھ تعارف بھی کرواتی جا رہی تھیں۔ نیناں سب سے الگ آخر میں کھڑی تھی۔ اس نے بھی زیان کو خوش آمدید کہا۔ زیان نے سفید شیفون کی لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامہ زیب تن کر رکھا تھا ساتھ ہمرنگ جھاگ جھاگ دوپٹا جس کے کنارے پہ میرون اور سلور لیس کے ساتھ ننھے منے گھنگھرو لگے ہوئے تھے۔ پاؤں میں سلور نگوں والی ہائی ہیل جوتی' ریشمی لمبے بال جو دونوں شانوں کے گرد بکھرے تھے۔ ستواں ناک 'مغرور جاذب نظر ناک نقشہ۔ وہ پہلی نظر میں ہی اوروں کے ساتھ ساتھ نیناں کو بھی متوجہ کر گئی تھی۔ قدرت نے اسے جی بھر کر دل کشی اور جاذبیت سے نوازا تھا۔ نیناں نے ایک گہری نظر اسے دیکھنے کے بعد خود کو دیکھا۔ کتنے عام سے کپڑے اور عام سے حلیے میں تھی وہ۔

یونیورسٹی میں اسے فیشن آئیکون کہا جاتا تھا اس کے اسٹائل کو کاپی کیا جاتا۔ اور اب یہ لڑکی جو کروفر سے ملک محل میں تازہ تازہ وارد ہوئی تھی اسے خوامخواہ ہی پریشانی سے دوچار کر گئی تھی۔ اتنے دن کے بعد نیناں عرف رنم کو اپنی پرانی زندگی یاد آئی تھی۔ کبھی وہ بھی اپنے پاپا کے ساتھ اپنے گھر میں اسی کروفر اور آن بان کے ساتھ رہتی تھی۔ بالکل کسی شہزادی کی مانند۔ جو پروٹوکول عنیزہ ملک کی بیٹی کو یہاں مل رہا تھا اپنے گھر میں اسے بھی ملتا تھا۔ مگر اب سب بدل گیا تھا۔ وہ شہر سے گاؤں پہنچ چکی تھی۔ مالکن سے نوکرانی بن گئی تھی۔

عنیزہ محبت سے زیان کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ پیاسی ممتا کی آنکھیں تھیں۔ انہوں نے زیان کو کچھ دیر بعد

نوکرانی کے ساتھ اوپر بھیج دیا تاکہ وہ فریش ہو جائے اور اپنا کمرہ بھی دیکھ لے۔

افشاں بیگم اور عنیزہ اب دونوں شاندار سٹنگ روم میں بیٹھیں باتیں کر رہی تھیں۔ موضوع گفتگو زیان ہی تھی۔

"ماشاء اللہ زیان بہت خوب صورت ہے اپنے نام کی طرح۔ چاند کا ٹکڑا ہے" افشاں بیگم نے چوتھی بار یہ جملہ کہا تو عنیزہ مسکرا دیں یہ خوشی کی مسکراہٹ تھی کیونکہ ان کی زیان کو حویلی میں قبول کر لیا گیا تھا۔

"جہانگیر بھائی کی طبیعت اب کیسی ہے؟" انہوں نے گفتگو کے دوران پوچھا۔

"پہلے سے تو بہتر ہے لیکن آپریشن کروانے کے بعد بھی ملک صاحب کو آرام نہیں ہے۔ ڈاکٹر نے بہت احتیاط بتائی ہے پر سنتے ہی نہیں کسی کی" افشاں بیگم کا لہجہ شکایتی تھا۔

"کل جب میں ان کی طبیعت کا پوچھنے گئی تو کہہ رہے تھے کہ لیٹے لیٹے تنگ آ گیا ہوں کچھ پڑھ بھی نہیں سکتا۔"

"ابھی تازہ تازہ موتیے کا آپریشن ہوا ہے اتنی جلدی کہاں کچھ پڑھ سکیں گے۔"

"بھابھی جہانگیر بھائی بھی کیا کریں مجلسی 'یار باش انسان ہیں۔ ایک کمرے میں رہ رہ کر گھبرا گئے ہیں۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو یہ بڑھاپا اور بیماری انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ میں نے زیان کا بتایا تھا پر وہ ٹھیک نہیں ہیں اس لیے نہیں آئے ہیں ملک صاحب۔"

"بھابھی شرمندہ تو نہ کریں مجھے۔ زیان خود جا کر مل آئے گی ان سے بزرگ ہیں وہ ہمارے۔"

"اور یہ نیناں کہاں ہے کافی دیر سے نظر نہیں آ رہی ہے۔" افشاں بیگم نے بات کا رخ بدلا۔

"صبح سے نوکرانیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ میں نے اوپر والا سب حصہ صاف کروایا ہے اور نئے پردے بھی لگوائے ہیں۔ نیناں بہت محنتی ہے۔ کہتی ہے بیٹھ بیٹھ کے تھک جاتی ہوں مصروف رہنا اچھا لگتا ہے۔ ادھر ادھر کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی ہے۔" عنیزہ نے افشاں بیگم کو تفصیلی جواب دیا تو انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔ "بے چاری۔"

"ہاں بھابھی یہ ایک انڈسٹریل ہوم کی تعمیر کب شروع کروائے گا؟" عنیزہ نے اچانک پوچھا۔

"کہہ رہا تھا جلدی کام شروع کرواؤں گا میٹریل تو منگوا لیا ہے۔ اسی سلسلے میں شہر گیا ہوا ہے۔" افشاں بیگم نے سادہ انداز میں بتایا۔

"بھابھی میں سوچ رہی ہوں جب ایک اپنا انڈسٹریل ہوم بنا لے تو میں نیناں کے بارے میں اس سے بات کروں۔"

"کون سی بات؟" وہ متنفر ہوئیں۔

"یہی کہ نیناں کو بھی انڈسٹریل ہوم میں کوئی کام بتائے۔ پڑھی لکھی لڑکی ہے اسی حساب سے کام کرتی اچھی لگے گی ناں۔"

"ہاں بے چاری اچھے گھر کی لگتی ہے پر قسمت رول دیتی ہے انسان کو" افشاں بیگم نے گہرے فلسفیانہ لہجہ میں کہا۔

"ہاں بھابھی ٹھیک کہتی ہیں آپ۔ مجھے تو بہت ترس آتا ہے نیناں پہ" عنیزہ نے بھی ہمدردی کے جذبات کا اظہار کیا۔

☼ ☼ ☼

وسیع و عریض ڈائننگ ہال میں کھانے کی میز پہ صرف تین نفوس تھے۔ عنیزہ 'ملک ارسلان اور خود زیان۔ ٹیبل انواع و اقسام کی ڈشز سے بھری ہوئی تھی۔ ملک ارسلان اور عنیزہ ایک ایک چیز خود اٹھا کر اس کی پلیٹ میں ڈال رہے تھے۔ چکھنے کے دوران ہی اس کا پیٹ بھر گیا تھا۔ یہ بات اس نے دل میں تسلیم کی تھی کہ کھانا بے حد لذیذ ہے۔ عنیزہ نے زیان کی آمد سے کئی گھنٹے پہلے ہی کھانا پکانے والی تینوں نوکرانیوں کو باورچی خانے میں مصروف کر دیا تھا۔

ملک ارسلان کا رویہ بے حد دوستانہ اور اپنائیت بھرا تھا۔ کھانے کے بعد وہ اس کی اجنبیت دور کرنے

کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔
عنیزہ محبت بھری نگاہوں سے زیان کو دیکھے جارہی تھیں۔ زیان بہت کم بول رہی تھی یا مختصر ترین جواب دے رہی تھی۔ ان کے لہجے اور انداز میں زیان کے لیے شفقت تھی۔ اسے بہت سوچنے کے بعد بھی ایسا کوئی لمحہ یاد نہیں آیا' جب امیر علی نے پاس بیٹھ کر اس سے اتنی محبت اور توجہ سے کوئی بات کی ہو یا پوچھا ہو۔ یہ اجنبی مرد کیوں اس پہ حد درجہ مہربان ہے؟ کیوں اتنی شفقت کا برتاؤ کر رہا ہے؟ جبکہ اپنے سگے باپ تک نے اسے کبھی اتنی اہمیت نہیں دی جتنی یہاں مل رہی تھی۔ اس کے دماغ میں کش مکش ہو رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

ملک محل میں اس کی آمد کی پہلی رات تھی۔ عنیزہ خود زیان کو کمرے میں چھوڑنے آئی تھیں۔ اس کا بیڈ روم اوپری منزل پہ تھا۔
"چلو تم آرام کرو تھک گئی ہو گی لمبے سفر سے" عنیزہ کو اس کے پاس بیٹھے پندرہ منٹ سے اوپر ہو گئے تھے۔ ان کی باتوں کے جواب میں زیان ہوں ہاں کر رہی تھی یا پھر سر ہلانے پہ اکتفا کر رہی تھی۔ عنیزہ اسے نیند یا تھکن کا اثر سمجھی تھیں۔
"میں چلتی ہوں بیٹا تم ریسٹ کرو" عنیزہ نے جانے سے پہلے اسے سینے سے لگا کر ایک بار پھر اس کا ماتھا چوما۔ وہ رسمی سے انداز میں مسکرائی۔ عنیزہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھتی نیچے جارہی تھیں۔ زیان کی نظریں جیسے ان کے آگے بڑھتے قدموں کا حساب کر رہی تھی۔ وہ نگاہوں سے اوجھل ہوئی تو اس نے دروازہ بند کیا۔
اس نے دروازہ لاک کرنے کے بعد آگے پردے بھی کھینچ دیے پھر کھڑکیوں کے ساتھ بھی اس نے یہی سلوک کیا تو بعد میں اسے اپنی اس احتیاط پہ خود ہی ہنسی آگئی۔ یہ زرینہ آنٹی کا گھر نہیں تھا بلکہ وہاں سے وہ آج یہاں آگئی تھی اور وہاب جیسا عفریت بھی نہیں تھا جو وہ اس طرح سب دروازے اور کھڑکیاں بند کر رہی تھی۔ جبکہ یہاں تو ملک ارسلان تھے شاندار پرسنالٹی کے مالک۔ اس کی ماں تھی' عنیزہ۔ بالکل ملک ارسلان کی طرح باوقار۔ یہ بے پناہ سہولیات والا شاندار کمرا اس کا تھا۔ پر اس کے دل میں بے پناہ نفرت بھی تو تھی۔ دل میں اگنے والے نفرت و بیگانگی کے تناور درخت کو تازہ پانی مل گیا تھا۔ وہ کچھ مثبت سوچنے پہ آمادہ نہیں تھی۔
کچھ دیر بعد اس نے کھڑکیوں پہ پڑے پردے سرکائے۔ داخلی دروازے کے ساتھ کی پوری دیوار شیشے کی تھی جس پہ پردے تھے اس نے وہ سب پردے بھی ہٹا دیے۔ شیشے کی دیوار کے آگے طویل برآمدہ تھا جس کے کونے کے ساتھ پودوں کے پینٹ کیے ہوئے گملے تھے۔ برآمدے کو سہارا دینے والے ستونوں کے گرد سرسبز بیلیں لپٹی اوپر تک جارہی تھیں۔ زیان کو شیشے کی دیوار سے پرے نظارا بڑا دلچسپ لگا۔ وہ بیڈ روم کا دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں آگئی۔ سامنے کنارے پہ چار فٹ اونچی دیوار تھی۔ سامنے آگے کچھ فاصلے پہ بالکل اسی بناوٹ کی ایک اور عمارت تھی۔ شام کو عنیزہ نے اسے بتایا تھا کہ سامنے والا رہائشی حصہ افشاں بھابھی کا ہے۔
دونوں عمارتیں ایک جیسی تھیں۔ دوسری عمارت کی اوپری منزل پہ زیان کے کمرے کے عین سامنے بالکل اسی جیسا کمرا تھا۔ وہ دیوار پہ کہنیاں ٹکا کر کھڑی ہو گی اور سامنے موجود کمرے کو دیکھنے لگی جس کی کھڑکی اور دروازہ' دونوں کھلے ہوئے تھے۔ کمرے کی برآمدے کی سب لائٹیں بھی آن تھیں۔ وسیع ٹیرس پھولوں کے بڑے بڑے گملوں سے سجا ہوا تھا۔ کھلے دروازے سے اندر کوئی ذی نفس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پردے سمٹے ہونے کی وجہ سے وہ اندر موجود ایک ایک چیز کو دیکھ سکتی تھی۔ مشرقی دیوار کے ساتھ جہازی سائز بیڈ پڑا تھا۔ سیلنگ فین کے چلنے کی وجہ سے سمٹے پردے دھیرے دھیرے ہل رہے تھے۔
وہ بڑی دلچسپی سے جائزہ لے رہی تھی جب اچانک ایک نوجوان تولیے سے سر رگڑتا جانے کہاں سے برآمد ہوا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ زیان کی طرف اس کی پشت تھی۔ چوڑے کندھے اور بازوؤں کے مسلز واضح تھے۔ وہ بالوں میں برش کر رہا تھا۔ اسے پہلے کہ وہ پلٹتا زیان برآمدے سے ہٹ کر کمرے میں آگئی۔ افشاں آنٹی کے گھر سے ہی کوئی ہو گا اس نے اندازہ لگایا۔ اسے یہاں آئے ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے اس لیے یہاں کی مکینوں کے بارے میں لاعلم ہی تھی۔
شکر ہے کہ وہ اس اجنبی نوجوان کے رخ موڑنے سے قبل ہی کمرے میں آگئی تھی وہ برآمدے کی دیوار کے ساتھ کھڑی بے دھیانی میں جائزہ لینے میں مگن تھی وہ جو کوئی بھی تھا اسے اس انداز میں دیکھتا تو جانے کیا سوچتا۔ دونوں کمرے اوپری منزل پہ بالکل آمنے سامنے اور طرز تعمیر' نقشے' بناوٹ' رنگ میں ایک جیسے تھے۔ ملک محل کے دو حصے تھے۔ ایک میں ملک جہانگیر اور دوسرے میں ملک ارسلان رہائش پذیر تھے۔ دونوں حصوں کو الگ اور جدا کرنے کے لیے ڈم ڈم کی باڑ اور اس کے بعد سرسبز میدان تھا۔
زیان صوفے پہ بیٹھ گئی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ اپنی بے معنی' لایعنی سوچوں کے بھنور میں ڈوبتے ابھرتے جانے کتنی دیر گزر چکی تھی۔ اس کی پلکیں نیند سے بوجھل ہونے لگی تھیں۔ وہ اٹھ کر بیڈ کی طرف آئی تو نہ چاہتے ہوئے نگاہ شیشے کی دیوار سے بڑے کمرے کی طرف اٹھ گئی۔ دوسری طرف بھی شیشے کی دیوار پہ سے پردے سرکا دیے گئے تھے۔ اندر زیرو پاور کی سبز لائٹ جل رہی تھی اور وہ جو کوئی بھی تھا بیڈ پہ لیٹا ایک تکیہ سیدھے بازو تلے دبائے سو رہا تھا۔ زیان کے کمرے کی لائٹس آف تھیں۔ پھر بھی احتیاطاً" اس نے شیشے کے دیوار پہ پردے برابر کر دیے۔ البتہ کھڑکی ہنوز کھلی تھی اور پردے بھی ہٹے ہوئے تھے۔ وہ صوفے سے اٹھ کر مسہری پہ آئی اور نیم دراز ہو گئی۔

✡ ✡ ✡

زیان' عنیزہ اور ملک ارسلان تینوں ناشتا کر رہے تھے۔ بیچ بیچ میں باتیں بھی جاری تھی۔
"ملک صاحب مجھے مارکیٹ جانا ہے۔ زیان کو شاپنگ کروانی ہے۔" عنیزہ نے ملک ارسلان کو مطلع کیا۔ زیان نے ایک نگاہ اٹھا کر دونوں کے چہرے پہ ڈالی اور پھر سے ناشتا کرنے میں مصروف ہو گئی۔
"ہاں تو تم ڈرائیور اور گارڈ کے ساتھ چلی جاؤ۔" انہوں نے باخوشی عنیزہ کو اجازت دی۔
"آپ ساتھ نہیں جائیں گے؟" عنیزہ کو جیسے تھوڑی مایوسی ہوئی۔ "مجھے آج کورٹ جانا ہے چودھری ریاض والے کیس کے سلسلے میں۔ رات ایبک بھی واپس آگیا ہے۔ میرا جانا ضروری نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ ضرور جاتا۔ ایبک بھی اسی وجہ سے آیا ہے۔"
"اچھا ایبک آگیا ہے۔" عنیزہ نے خوشی کا اظہار کیا۔
"ہاں رات کو آیا ہے۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد میں اس سے ملا ہوں" ملک ارسلان نے تفصیل بتائی۔
"اچھا میں زیان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" عنیزہ انہیں بتانے لگیں۔
"تم ناشتا کرنے کے بعد جانے کی تیاری کرو اچھا خاصا ٹائم لگ جائے گا۔" ملک ارسلان نے مشورہ دیا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"زیان بیٹا' ناشتا کر چکی تو چینج کرو ہمیں جلدی جانا ہو گا۔" عنیزہ نے روئے سخن اس کی طرف موڑا تو اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔
خریداری کرتے ہوئے زیان نے کسی خاص دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ بس عنیزہ جو لیتی گئیں وہ بغیر کسی تاثر کے دیکھتی رہی نہ پسندیدگی کا اظہار کیا نہ ناپسندیدگی کا۔ ایسے لگ رہا تھا وہ روبوٹ ہے سوئچ آن آف کرنے کی محتاج۔
عنیزہ نے اس کے لیے بے شمار کپڑے' جوتے' جیولری کاسمیٹکس پروڈکٹس خریدیں سب اشیاء برانڈڈ اور بیش قیمت تھیں۔ پر زیان کے چہرے پہ ایک بار بھی کسی تاثر نے جگہ نہیں بنائی۔ اس کی یہ خاموشی

'سرد مہری اور بیگانگی عنیزہ کے لیے تکلیف دہ تھی۔ گزرتے اٹھارہ برسوں نے زیان کو ان سے صدیوں کے فاصلے پہ لا کھڑا کیا تھا۔ وہ اجنبی کی مانند برتاؤ کر رہی تھی۔ وہ خود سے مخاطب کرتیں تو زیان بولتی ورنہ اس کے لبوں پہ چپ کا قفل تھا۔

"واپسی پہ بہت دیر ہو جائے گی ورنہ آج میں تمہیں جہانگیر بھائی سے ملواتی۔ تم ان سے مل کر بہت خوشی محسوس کرو گی کیونکہ جہانگیر بھائی بہت محبت کرنے والے انسان ہیں۔" شاپنگ ختم کرنے کے بعد وہ اب واپس جا رہی تھیں جب عنیزہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔ جواب میں زیان نے سر ہلایا۔

"پتا ہے افشاں بھابھی تمہاری اتنی تعریف کر رہی تھیں کہتی ہیں زیان چاند کا ٹکڑا ہے بہت خوب صورت ہے۔" عنیزہ کا چہرہ یہ بتاتے ہوئے خوشی سے چمک رہا تھا۔ زیان کے چہرے پہ مسکراہٹ ابھری۔

"افشاں بھابھی کے دو بیٹے ہیں۔ چھوٹا معاذ پڑھنے کے لیے باہر گیا ہوا ہے جبکہ ایبک یہیں ہے۔ زیادہ تر شہر میں رہتا ہے۔ بہت مصروف ہوتا ہے۔ کہتا ہے گاؤں میں انڈسٹریل ہوم بنواؤں گا بلکہ اس نے کام بھی شروع کروا دیا ہے۔ اس کا ارادہ گاؤں میں بہت اچھا اسکول بنانے کا بھی ہے۔ اس کے دل میں اوروں کے لیے کام کرنے کا جذبہ ہے۔ شہر کے ساتھ ساتھ وہ گاؤں میں بھی بہت مصروف رہتا ہے۔ ہم آج شاپنگ کے لیے آ گئے ورنہ تمہاری اسے ملاقات ہو جاتی۔ ایبک بہت احترام کرتا ہے میرا۔"

عنیزہ ایبک نامی شخص کے بارے میں بہت تفصیل سے بتا رہی تھیں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی بس غائب دماغی سے سر ہلائے جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایبک، ملک ارسلان کے ساتھ کورٹ سے واپس آ چکا تھا۔ دونوں ایک ساتھ ایک ہی گاڑی میں گئے تھے۔ واپسی پہ ملک ارسلان نے اسے کھانے کے لیے روک لیا۔ کھانا تیار تھا صرف ٹیبل پہ لگانا تھا۔ نیناں نے ملک ارسلان کی واپسی کا سنتے ہی کھانا اپنی نگرانی میں لگوایا۔ وہ کھانے کی ڈشز اور ڈائننگ ہال کا جائزہ لے رہی تھی جب ملک ارسلان، ایبک کے ساتھ ڈائننگ ہال میں پہنچے۔

اب یہ اتفاق کی بات تھی کہ نیناں کا آج پہلی بار ملک ایبک کے ساتھ سامنا ہوا تھا۔ حالانکہ اسے "ملک محل" میں آئے کافی دن ہو چلے تھے۔ ایک اجنبی صورت ملک ارسلان کے گھر ایبک نے پہلی بار دیکھی تھی لہٰذا اس نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"یہ نیناں ہے اور ہم اسے ..." وہ نیناں کی موجودگی کے خیال سے بہت آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے۔ ایبک نے کھوجتی نگاہوں سے نیناں کا جائزہ لیا تو اس نے ایبک کو سلام کیا۔ پڑھا لکھا مہذب لہجہ تھا، کپڑے بھی اس نے طریقے سلیقے کے پہن رکھے تھے، اس لیے اس نے نیناں کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ اس کے دیکھنے سے اپنے آپ میں بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ لیکن اس کے بعد ایبک نے دوبارہ نیناں کی طرف نہیں دیکھا۔ بلکہ ارسلان کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گیا۔ نیناں وہاں سے جا چکی تھی۔ ملک ارسلان اب کھل کر نیناں کے بارے میں بتا رہے تھے۔

"بس اس بے چاری کا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ عنیزہ بہت نازک اور خدا ترس دل کی مالک ہے۔ جھٹ اسے اپنے ساتھ لے آئی۔ ہمیں اس کی موجودگی سے کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں ہے۔ سارا دن حویلی میں لگی رہتی ہے۔ عنیزہ اس کے بارے میں تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔ مجھے کہہ رہی تھی کہ ایبک سے کہوں گی انڈسٹریل ہوم اور اسکول بنوانے کے بعد اسے بھی وہیں رکھ لو۔ پڑھی لکھی لڑکی ہے، بہت کام آئے گی محنتی بھی ہے۔" ملک ارسلان نے نیناں کے ہوٹل میں ٹکراؤ اور اس کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ گول کر دیا تھا۔

پر ایبک کو رہ رہ کر ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔

نیناں کی پوری شخصیت سے کسی بھی قسم کی بے چارگی اور درماندگی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا جس کا تذکرہ ابھی ابھی ارسلان چچا نے کیا تھا۔ اس نے چچا کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے ان کی بات پورے غور سے سنی اور کسی بھی قسم کے تبصرے سے گریز کیا۔

"تمہاری چچی تو شاپنگ کر کے ابھی تک نہیں لوٹی ہیں۔" ارسلان کلائی میں پہنی گھڑی پہ ٹائم دیکھ رہے تھے۔

"چچا میں رات کو آؤں گا۔"

"ہاں تب میری بیٹی سے بھی مل لینا" ملک ارسلان کے لہجے کا یہ رنگ، بہت انوکھا سا تھا۔ وہ یک ٹک انہیں دیکھنے لگا۔

"عنیزہ بہت خوش ہے۔ جب سے میں اسے بیاہ کر یہاں لایا ہوں تب سے اب اسے پہلی بار اتنا خوش اور مسرور دیکھا ہے۔ وہ زیان کو دیکھ دیکھ کر جی رہی ہے۔"

عنیزہ کا نام لیتے ہی ملک ارسلان کے لہجے میں محبت اتر آئی تھی۔ ابھی ابھی ایبک نے بھی یہ مظاہرہ دیکھا تھا۔ ملک ارسلان چچا اور عنیزہ چچی کی محبت کی کہانی سے وہ بہت اچھی طرح واقف تھا۔ دل سے وہ ان کی عزت کرتا تھا کیونکہ ایبک ان کی اعلا ظرفی اور وسعت قلبی کا شاہد تھا۔ عنیزہ چچی کی بیٹی کا علم اسے کچھ برس پہلے ہوا تھا جب عنیزہ چچی پہ ڈپریشن کا شدید حملہ ہوا تھا انہوں نے کمرے میں رکھی گئی ہر چیز توڑ دی تھی اور خود کو بھی زخمی کر لیا تھا تب ہسپتال میں ایبک نے ارسلان چچا کو طویل کوریڈور میں ٹہلتے اور اپنے آنسو چھپاتے دیکھا تھا۔ اس نے جرات کر کے چچا سے پوچھا تھا۔ تب انہوں نے اسے سب بتا دیا کہ عنیزہ چچی کی اس شدید بگڑتی حالت کا سبب کیا ہے۔ ایبک کے بس میں ہوتا تو ان کی بیٹی کہیں سے لا کر ان کے سامنے کھڑی کر دیتا۔ کیونکہ ارسلان چچا اور عنیزہ چچی اسے ماورائی اساطیری داستانوں کے کردار لگتے۔ جو زندہ ہو کر ملک محل میں آ گئے تھے۔

"چچا جان یہ تو اچھی بات ہے اللہ کرے چچی اب ایسے ہی خوش رہیں" ایبک نے دل کی گہرائی سے دعائیہ جملہ بولا تھا جس پہ ارسلان کا آمین کہنا بے ساختہ تھا۔

تمہاری چچی کل سے اتنی خوش ہیں کہ مجھے بھی نظر انداز کر دیا ہے۔" ملک ارسلان نے ہنستے ہوئے لطیف سا شکوہ کیا۔

"چچی ایسی نہیں ہیں کہ آپ کو نظر انداز کریں۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں تو بس ایسے ہی آج ذرا اسے تنگ کرنے کا موڈ بنا رہا تھا" ارسلان چچا کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ اس بار ایبک کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

☼ ☼ ☼

زیان اور عنیزہ کافی لیٹ واپس آئیں۔ مغرب تو ہو ہی چکی تھی۔ اس تاخیر کا سبب شہر سے گاؤں کا طویل فاصلہ تھا۔ پھر جیولر کے پاس انہیں کافی ٹائم لگ گیا تھا۔ عنیزہ نے زیان کے لیے گولڈ کی اور دیگر جیولری خریدی تھی ڈائمنڈ کے ایئر رنگز اور خوب صورت سی رنگ تو انہوں نے جیولر کی شاپ پہ ہی زیان کو زبردستی پہنائی تھی۔

زیان اس آنے جانے میں آج بہت تھک گئی تھی۔ اس کی تھکن دیکھتے ہوئے عنیزہ نے نوکرانی کو کوئی اشارہ کیا تو کچھ دیر بعد وہ ایک ٹب میں نیم گرم پانی لیے چلی آئی۔ پانی میں گلاب کے پھولوں کی پتیاں تیر رہی تھیں۔ عنیزہ کے حکم پہ اس نے پانی والا ٹب صوفے پہ بیٹھی زیان کے پاؤں کے پاس رکھ کر اس کے سوچنے سمجھنے سے پیشتر ہی اس کے پاؤں نرمی سے اٹھا کر ٹب میں ڈال دیے۔ وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی پر نہ جانے کیوں عنیزہ کا چہرہ دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ نوکرانی نمک ملے پانی سے اس کے پاؤں دھو رہی تھی پانی میں گلاب کی پتیوں اور نمک کے ساتھ اور جانے کیا کیا کچھ ڈالا گیا تھا۔ کیونکہ پانی میں سے بڑی اچھی خوشبو آ رہی

تھی۔ نوکرانی نے اس کے پاؤں دھو کر صاف کر دیے تھے۔ اب وہ تولیے سے اس کے پاؤں خشک کر رہی تھی۔ زیان کو بے پناہ سکون کا احساس ہو رہا تھا۔

وہ آنکھیں موندے صوفے پہ نیم دراز تھی جب نینال بہت سے شاپرز لیے وہاں آ گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے ملک ارسلان بھی تھے۔ زیان آنکھیں کھولے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"آ گئے آپ لوگ واپس اور میری بیٹی کیسی ہے؟ لگتا ہے تھک گئی ہو" وہ بیک وقت عنیزہ اور زیان سے مخاطب ہوئے۔ ان کے منہ سے "میری بیٹی" کا لفظ زیان کو بہت عجیب سا لگا کیونکہ ابو نے بھی اسے میری بیٹی کہہ کر بلانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو اس کی پروا ہی نہیں کرتے تھے۔

"جی بس تھوڑی سی تھکن ہے" نظریں جھکا کر اس نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

"ذرا دکھایئے تو کیا کیا شاپنگ کی ہے آپ نے" اس بار بھی ان کا مخاطب سو فی صد زیان ہی تھی۔ ناچار وہ نینال کے لائے گئے شاپر اٹھا کر ان کے پاس بیٹھ کر خریدی گئی چیزیں دکھانے لگی۔ انہوں نے ایک ایک چیز شوق اور دلچسپی سے دیکھی اور تعریف کی۔ عنیزہ ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں۔ ملک ارسلان زیان کو حد درجہ توجہ دے رہے تھے۔

نینال اس رخ پہ کھڑی تھی کہ زیان کا پورا چہرا اور ہاتھ پاؤں اس کے سامنے تھے۔ وہ بڑی توجہ سے ارسلان کو مختلف چیزیں دکھانے میں مصروف تھی۔ برانڈڈ کپڑوں جوتوں پرفیومز' جیولری اور دیگر اشیاء کا ایک چھوٹا سا ڈھیر نینال کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ زیان کے گلابی آمیزش لیے سفید بے داغ پاؤں اس کے دل کو عجیب بے عنوان سی پریشانی اور جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہے تھے۔ "یہ سوٹ کل پہننا" ملک ارسلان نے پنک اور وائیٹ کمبینیشن والا فراک نکال کر الگ سے رکھا۔ نینال کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں مسلا۔

احمد سیال بھی تو اسے ایسی ہی فرمائش کرتے تھے۔

دونوں مل کر شاپنگ کرتے' وہ رنم کو ہر چیز کے بارے میں اپنی رائے دیتے اور اپنی پسند سے اس کے لیے خریداری کرتے۔ اور جب ان دونوں کو مل کر کسی جگہ جانا ہوتا تو وہ خود اس کے لیے پہنے جانے والے کپڑے سلیکٹ کرتے۔ پورے دن میں پہلی مرتبہ زیان کے ہونٹوں پہ بے ریا مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہو ہاں میں کل یہی کپڑے پہنوں گی۔ رنم سے یہ منظر مزید برداشت نہیں ہو رہا تھا اس لیے وہاں سے ہٹ گئی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے زیان کو دیکھ دیکھ کر وہ احساس کمتری کا شکار ہو رہی ہے۔

کھانا کھا کر زیان اوپری منزل پہ اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ لائٹ جلا کر اس نے سب سے پہلے پردے سرکائے تو نگاہ دوسرے کمرے کی طرف اٹھ گئی۔ برآمدے کی سب لائٹس آن تھیں پر سامنے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ سونے سے پہلے اس نے ٹھنڈے پانی سے شاور لیا تو طبیعت کی سب تھکن اور بوجھل پن دم توڑ گیا۔ تکیہ سر تلے رکھے وہ سونے کے لیے دراز ہوئی تو بہت جلد نیند کی وادیوں میں اتری۔

☼ ☼ ☼

ایبک سونے کے لیے اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا۔ نیچے وہ ملک جہانگیر اور افشاں بیگم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ملک جہانگیر نے پھر سے اس کی شادی کا موضوع چھیڑ رکھا تھا۔ اس بار افشاں بیگم بھی ان کی ہمنوا تھیں۔

"بابا جان انڈسٹریل ہوم کی تعمیر شروع ہے۔ اسکول کا سنگ بنیاد بھی رکھا جا چکا ہے۔ میں کچھ ماہ بہت مصروف رہوں گا۔" اس نے جیسے اپنی مجبوری بتائی۔

"بیٹا شادی اور دیگر کام سب ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔" جہانگیر نے اس کی بات کو چنداں! اہمیت نہ دی۔ بھلا ہو افشاں بیگم کا جو انہوں نے زیان کی آمد کا قصہ چھیڑ دیا تب کہیں جا کر ان کی توجہ ایبک کی شادی سے ہٹی۔ وہ خیر مناتا ان کے پاس سے اٹھ آیا۔

کمرے کی لائٹس آن تھیں۔ ملازم مغرب سے پہلے اس کے بیڈ روم اور اوپری حصے کی تمام بتیاں جلا دیتے تھے۔ اس نے شرٹ اتار کر بیڈ پہ رکھی اور واش روم میں آ گیا۔ نہانے کے بعد وہ نائٹ شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس باہر آیا۔ شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر گیلے بالوں میں حسب معمول برش پھیرا۔

ملک جہانگیر کی باتوں کو از سر نو سوچتے ہوئے اس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور باہر آ گیا۔ جہاں دیوار کے ساتھ پھولوں کے گملے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے اور پاس ہی ایک کرسی پڑی تھی وہ اکثر یہاں آ کر بیٹھتا تھا۔ وہ جیسے ہی کرسی پہ دراز ہوا نگاہ اچانک ارسلان چچا کے گھر کی طرف اٹھی۔ اس کی نگاہوں کا مرکز اوپری منزل پہ واقع عین اس کے کمرے کے سامنے والا کمرا تھا۔

اندر زیرو پاور کے بلب کے ساتھ بیڈ لیمپ بھی آن تھا۔ سب پردے سمٹے ہوئے تھے اس لیے منظر واضح تھا۔ سامنے بیڈ پہ اوندھے منہ ایک نسوانی وجود محو خواب تھا کیونکہ کھلے لمبے بال اس سوئے ہوئے وجود کے اردگرد بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی معلومات کے مطابق اوپری حصہ خالی تھا۔ خالی ان معنوں میں کہ سامان تو سب کمروں میں تھا پر کوئی رہتا نہیں تھا۔

عنیزہ چچی اور ارسلان چچا نیچے رہائش پذیر تھے۔ نوکروں کے لیے الگ رہائشی حصہ مخصوص تھا۔ اچانک اسے یاد آیا کہ حویلی میں عنیزہ چچی کی بیٹی بھی تو آئی ہے۔ سو فی صد وہ یہی ہو گی۔ ملک ایبک نے اندازہ لگایا۔ اسے دوسری بار دیکھنا نامناسب محسوس ہوا اس لیے بیڈ روم میں آ کر لیٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

زیان صبح خاصی دیر بعد بیدار ہوئی۔ ہلکا پھلکا ناشتا کرنے کے بعد فارغ ہوئی تو نوکرانی اطلاع کرنے آئی کہ آپ کے کپڑے استری ہو چکے ہیں' آپ تبدیل کر لیں۔ یہی وہ سوٹ تھا جو ملک ارسلان نے الگ نکال کر رکھا تھا۔ زیان تبدیل کر کے آئی تو وہی نوکرانی ہاتھوں میں موتیے کے گجرے لیے کھڑی تھی۔ زیان کی دونوں کلائیوں میں اس نے گجرے پہنائے۔ "چھوٹی بی بی آپ بہت سوہنی ہیں" اس نے زیان کو بغور دیکھتے ہوئے تعریف کی تو وہ جھینپ سی گئی۔ نوکرانی نے اسی بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

زیان ٹی وی لاؤنج میں آئی تو عنیزہ بھی وہیں بیٹھی تھیں۔ انہوں نے اس کے لیے اپنے پاس جگہ بنائی تو وہ ادھر ہی بیٹھ گئی۔ ٹی وی پہ مشہور زمانہ ایک ٹاک شو آن ایئر تھا۔ زیان کی نظریں بظاہر ٹی وی سکرین پہ اور ذہن کسی اور شے کی طرف مرتکز تھا۔ عنیزہ ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ اسے ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہی تھیں جن کا جواب وہ سر ہلا کر ہوں ہاں میں دے رہی تھی۔

تب ہی ملک ایبک ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوا۔ خوشبوؤں میں بسا ہنک سک سا تیار۔ اسے دیکھ کر جیسے زندگی اور تازگی کا احساس فضا پہ حاوی ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم" اس کی آواز سے گرمجوشی اور اپنائیت جھلک رہی تھی۔ زیان نے سلام کا جواب بہت مدہم آواز میں دیا۔ وہ فوراً" پہچان گئی تھی۔ رات اپنے سامنے والے کمرے میں اس نے جس نوجوان کو دیکھا تھا وہ یہی تھا۔

"کب آئے ہو بیٹا تم اور سب ٹھیک ہے ناں؟" عنیزہ نے کھڑے ہو کر جس محبت سے اس کا ماتھا چوم کر حال احوال دریافت کیا تھا وہ زیان کو ایبک کی اہمیت جتانے کے لیے کافی تھا۔

"چچی جان میں کل شام کو آپ کی طرف آیا تھا سوچا مہمانوں سے بھی ملاقات ہو جائے گی پر آپ لوگ نہیں ملے میں نے سوچا ابھی جا کر خیریت معلوم کر آؤں۔" اس کا اشارہ زیان کی طرف تھا۔ بات کرتے کرتے ملک ایبک نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ زیان کے چہرے کے تاثرات میں کسی بھی قسم کی گرمجوشی اور مروت نہیں تھی۔

"ایبک یہ میری بیٹی زیان ہے اور زیان یہ افشاں بھابھی اور جہانگیر بھائی کا بڑا بیٹا ایبک ہے۔ وہی جہانگیر

بھائی جن کے گھر جانے کا میں نے تمہیں بولا تھا۔" عنیزہ نے تعارف کروایا۔ زیان عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ ایبک نے میزبانی کے اصول نبھاتے ہوئے خود سے بات کا آغاز کیا۔
زیان آپ کی کیا مصروفیات ہیں آج کل کیا کر رہی ہیں؟"

اس نے جھٹ سے جواب دیا "میں کچھ نہیں کرتی۔" عنیزہ شرمندہ سی ہو گئیں۔ زیان کا انداز لٹھ مارنے والا تھا۔ جیسے بول کر احسان کر رہی ہو۔

"ایبک، زیان نے حال ہی میں گریجویشن کیا ہے۔" عنیزہ نے اس کے رویے کی تلخی کو زائل کرنے کے لیے خود جواب دیا۔ "آپ نے کن سبجیکٹ کے ساتھ گریجوشن کیا ہے زیان؟" ایبک کی طرف سے اگلا سوال آیا۔

"میں نے ماس کمیونیکیشن میں گریجوشن کیا ہے۔"

"آگے کیا ارادے ہیں آپ کے؟" ایبک نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں۔" وہ پہلے کی طرح سرد لہجہ میں بولی تو عنیزہ کو بے انتہا شرمندگی ہوئی۔

"میں ذرا فریدہ کو دیکھ آؤں تمہیں اچھی سی چائے پلواتی ہوں۔" زیان کے رویے کی شرمندگی کی وجہ سے پیدا ہونے والی شرمندگی کے تاثر کو زائل کرنے کے لیے عنیزہ دانستہ طور پہ وہاں سی ہٹنا چاہ رہی تھیں۔

"چچی میں آج دیر سے اٹھا ہوں ابھی کچھ دیر پہلے ناشتا کیا ہے۔ فی الحال گنجائش نہیں ہے۔" ایبک نے سلیقے سے انکار کیا۔

"اچھا میں جوس کا بول کر آتی ہوں زیان نے ناشتے میں صرف انڈا اور توسٹ کھایا ہے۔ اسی بہانے یہ بھی پی لے گی" عنیزہ نے اس کی اگلی بات سنے بغیر قدم آگے بڑھا دیے۔

زیان نے عنیزہ کے جاتے ہی ریموٹ کنٹرول سے چینل تبدیل کر دیا۔ اب صرف ٹی وی کی آواز تھی ایبک اور زیان دونوں خاموش تھے۔ ایبک نے ایک نظر خاموش بیٹھی زیان کی طرف دیکھا۔ پنک فراک اور ٹراؤزر میں ملبوس دوپٹا سر پہ لیے (ایبک کے آنے سے پہلے دوپٹا اس کے شانے پہ سمٹا پڑا تھا۔ ایبک کو دیکھتے ہی اس نے پھیلا کر سر پہ اوڑھا تھا۔) ٹانگ پہ ٹانگ رکھی اپنے خفا خفا سے تاثرات سمیت وہ کافی مغرور نظر آ رہی تھی۔ ایبک کے مونچھوں تلے دبے عنابی ہونٹوں پہ عجیب بیساختہ سی مسکراہٹ در آئی تھی۔ زیان مار دھاڑ سے بھرپور ایکشن تھرلر فلم دیکھنے میں پوری طرح مگن تھی۔ جیسے اس کے سوا یہاں اور کوئی ذی نفس موجود ہی نہ ہو۔ ایبک کی موجودگی کا اس نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا تھا۔

نینال، فریدہ کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ فریدہ اور نینال کے ہاتھ میں دو ٹرے تھیں۔ جن میں جوس سمیت کھانے پینے کے مختلف لوازمات تھے ان کے پیچھے ہی عنیزہ تھیں۔ کھانے پینے کی سب اشیاء ٹیبل پہ سج گئی تھیں۔ "نینال آپ کیسی ہیں؟"

وہ گلاس میں جوس ڈال رہی تھی۔ زیان نے حیرت بھری نگاہوں سے اس کی سمت دیکھا وہ عام سی نوکرانی سے کتنے طریقے اور سبھاؤ سے بات کر رہا تھا۔ نینال کے ساتھ اس نے فریدہ سے بھی حال احوال پوچھا۔ نینال نے بہت ادب سے جوس کا گلاس ایبک کے سامنے ٹیبل پہ رکھا۔ دوسرا گلاس اس نے زیان کے سامنے رکھا۔ وہ کسی مغرور شہزادی کی طرح ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھی جیسے ساری دنیا اس کے قدموں تلے ہو۔ رنم کو جانے کیوں پھر اس پہ شدید غصہ آیا۔ ہر بار زیان سے آمنا سامنا ہونے پہ ایسا محسوس ہوتا جیسے اس نے رنم کی جگہ پہ قبضہ کر لیا ہو۔ ملک ارسلان، عنیزہ بیگم سے لے کر نوکرانیاں تک اس تنک چڑھی زیان کو اپنی پلکوں پہ بٹھا رہے تھے جیسے۔ اسے اہمیت دے رہے تھے۔ زیان کو اس قدر اہمیت دینا اسے کھل رہا تھا۔

"ایبک، نینال پڑھی لکھی اور قابل لڑکی ہے۔ سارا دن حویلی میں چھوٹے موٹے کاموں میں لگی رہتی ہے۔ میں چاہتی ہوں جب تم انڈسٹریل ہوم بنا لو تو اس

کو بھی وہاں رکھ لو۔ وہاں کے سب معاملات کو سنبھال لے گی" عنیزہ نے ایبک کی توجہ نینال کے مسئلے کی طرف دلائی۔

"چچی میں اب گاؤں میں ہی ہوں۔ انڈسٹریل ہوم کی عمارت تکمیل کے مراحل میں ہے۔ مزدوروں اور مستریوں نے جلدی بنانے کے لیے دن رات ایک کر دیا ہے۔ ابھی تھوڑا ٹائم باقی ہے جب سلائی مشین اور دیگر سامان آجائے گا تو میں آپ کو بتاؤں گا اور نینال کے لیے بھی جگہ دیکھوں گا" اس نے عنیزہ چچی کو امید دلائی۔ وہ نینال کے مسئلے کی طرف متوجہ تھا اسے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں اسے جو بھی کام دو گے کر لے گی۔" عنیزہ نے اس کی تعریف کی۔

"چچی جان آپ کا حکم سر آنکھوں پہ" وہ مسکرایا۔ زیان ایک بار پھر حیران ہو رہی تھی۔ عنیزہ اور ایبک ایک عام سی نوکرانی کے لیے کتنا فکر مند تھے۔

ایبک نے اپنی طرف رکھا جوس کا گلاس اٹھایا۔ عنیزہ چچی کی مغرور بیٹی ایکشن فلم میں بری طرح ڈوبی ہوئی تھی۔ ایبک کو مزید یہاں بیٹھنا عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ واپسی کے لیے اٹھا۔ زیان نے اسے جاتے ہوئے پیچھے سے دیکھا۔ اس کے چوڑے کندھے اور پشت نمایاں تھی۔ وہ سر جھٹک کر پھر سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گی۔

☼ ☼ ☼
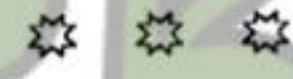
زیان، عنیزہ کے ساتھ ملک جہانگیر کی طرف پہلی بار آئی تھی۔ اس نے مہین شیفون کا جالی لگے بازوؤں والا کالا فراک اور ساتھ چوڑی دار پائجامہ زیب تن کر رکھا تھا۔ لمبے بال ربڑ بینڈ میں جکڑے پیچھے کمر پہ پڑے تھے۔ مہین شیفون کا دوپٹا بہت سلیقے سے سر پہ جما تھا۔ ایک کلائی میں پرل کا نازک سا بریسلیٹ تھا۔

افشاں بیگم بہت پیار سے اسے گلے لگا کر ملی تھیں۔ پھر وہ اسے ملک جہانگیر کے پاس ان کے کمرے میں لائیں۔ وہ بیڈ پہ نیم دراز تھے۔ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے ڈاکٹرز نے انہیں بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا تھا۔ انہیں دیکھتے ہوئے زیان کو امیر علی یاد آ گئے۔ ملک جہانگیر اور امیر علی میں اسے مشابہت محسوس ہو رہی تھی زندگی کے آخری دو برسوں میں وہ بھی تو ملک جہانگیر کی طرح بیڈ کے ہو کے رہ گئے تھے۔ اس نے دل میں ہمدردی کی لہر اٹھتے محسوس کیا۔ افشاں بیگم نے زیان کا تعارف کروایا۔

ان کی نظر آپریشن کے بعد کافی کمزور اور دھندلائی ہوئی تھی مگر پھر بھی زیان انہیں دیکھنے میں بہت اچھی لگی۔ انہوں نے پاس بلا کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ ان کے اس عمل سے زیان کو ایک بار پھر امیر علی یاد آ گئے۔ انہوں نے زیان کو بیڈ کے پاس رکھی گی کرسی پہ اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شروع میں تو وہ گم صم رہی پھر آہستہ آہستہ ان کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ اس عمل سے عنیزہ خوشی محسوس کر رہی تھیں۔

وہ افشاں بیگم کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔ بیچ بیچ میں وہ دونوں زیان کو بھی مخاطب کرتی جس کی توجہ ملک جہانگیر کی طرف تھی۔ افشاں بیگم جب بھی زیان کی طرف دیکھتیں ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آجاتی۔ ایبک کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ بھی وہیں آ گیا۔ اس نے سب کو سلام کیا اور پھر بیٹھنے کے لیے جگہ تلاش کی۔ زیان کے ساتھ والی ایک اور کرسی خالی پڑی تھی۔ وہ اسی پہ بیٹھ گیا۔ وہاں بیٹھنے میں اس کی کسی خاص سوچ یا نیت کا دخل نہیں تھا۔

وہ قیمتی مردانہ پرفیوم استعمال کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی پسندیدہ مہک نے زیان کی حس شامہ کو متوجہ کر لیا۔ وہ اب اس کے پاس ہی تو بیٹھا تھا۔ بابا جان کے ساتھ بات کرتے ہوئے ملک ایبک نے ایک نگاہ زیان پہ ڈالی آج اس نے کالے رنگ کی فراک زیب تن کی ہوئی تھی نازک سے پاؤں بھی کالی سینڈل میں مقید تھے۔ وہ خوامخواہ ہی توجہ اپنی طرف مبذول کروا رہی تھی۔ چہرے پہ خفگی والے تاثرات آج کچھ کم تھے۔ ایبک کو جانے کیوں ہنسی آ گئی۔ اس کی موہوم سی مسکراہٹ

افشاں بیگم کی نگاہوں سے مخفی نہ رہپائی۔ ان دونوں کو اکٹھے بیٹھے دیکھ کر ان کے دل میں خود ہی ایک خیال الہام بن کر اترا۔ دونوں ایسے بہت اچھے لگ رہے تھے۔

وہ ملک جہانگیر کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے دوپٹا ٹھیک کر رہی تھی اور ایک عنیزہ کے ساتھ بات کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ دونوں اپنی جگہ الگ ہوتے ہوئے بھی ایک مکمل منظر کا حصہ لگ رہے تھے۔

"اور اگر یہ دونوں ہمیشہ ایک ساتھ رہیں تو اور بھی اچھے لگیں۔" افشاں بیگم کی سوچ نے ذرا مزید آگے کا رخ کیا تو ان کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آگئی وہ مسکراہٹ جس میں ہزار معانی پنہاں تھے۔

☼ ☼ ☼
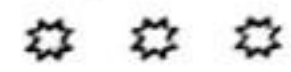
ملک ارسلان دو دن سے یونیورسٹی نہیں آیا تھا۔ عنیزہ ان دو دنوں میں بولائی بولائی پھرتی رہی۔ پوری دنیا اسے ویران اور اداس نظر آرہی تھی۔ پہلے تو اس کے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ ارسلان دو دن کے بعد یونیورسٹی آیا تو وہ اسے لڑ جھگڑ کر ناراض ہوگئی۔ حالانکہ وہ صفائی دیتا رہا پھر وہ نہ جانے کیوں ناراض ہو گئی تھی۔ ارسلان نے دو دن چھٹی کی تھی اس نے پورے ایک ہفتے کی چھٹی کی۔

عنیزہ کو پورے ہفتے شدید بخار رہا۔ جب وہ دوبارہ یونیورسٹی گئی تب بھی بخار سے ہونے والی کمزوری باقی تھی۔ ارسلان کو اس کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ بے تابی سے ڈھونڈتا ہوا لائبریری میں آیا۔ سامنے وہ کتاب رکھے پڑھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ ارسلان اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھا تو عنیزہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اسے جھٹکا سا لگا کیونکہ ارسلان کی حالت سے لگ رہا تھا وہ بہت پریشان ہے۔

ارسلان نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ کشاں کشاں اس کے پیچھے چلی آئی۔ پارکنگ ایریا سے ارسلان نے اپنی نئی ٹویوٹا کرولا نکالی اور اگلا دروازہ کھولا۔ عنیزہ کوئی سوال کیے بغیر بیٹھ گئی۔ اس نے نہیں پوچھا کہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو نہ ارسلان نے بتایا۔

چند منٹ بعد ارسلان کے ساتھ وہ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھی تھی۔ اس طرح وہ پہلی بار اس کے ساتھ گھر سے بلکہ یونیورسٹی سے باہر آئی تھی۔

"عنیزہ میں پچھلے پورے ہفتے سے بہت پریشان ہوں۔ دیکھ لو میں نے شیو تک نہیں کی۔" ثبوت کے طور پہ ارسلان نے اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کیا۔

"تم کیوں پریشان رہے؟"

"عنیزہ مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔" ارسلان نے اچانک روانی سے یہ جملہ بولا تو اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے وہ جیسے گم صم سی ہوگئی جیسے کسی نے جادو سے پتھر کر دیا ہو۔

"تمہیں بری لگی ہے میری بات؟" کافی دیر وہ خاموش رہی تو ارسلان نے بے تابی سے پوچھا۔

"مجھے پتا تھا تمہیں یہ بات بری لگے گی۔ لیکن میں اپنے دل سے پورا ہفتہ لڑتا رہا ہوں ہنہیں رہ پایا تو تم سے آج کہہ دیا۔" وہ اس کی مسلسل خاموشی سے دل گرفتہ ہو رہا تھا۔

"مجھے تمہاری بات بری نہیں لگی ہے۔" بالآخر عنیزہ نے خاموشی کے پردے کو چاک کیا۔

"تو پھر اچھی لگی ہے؟" وہ فرط شوق سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر جیسے اپنے سوال کا جواب ڈھونڈ رہا تھا۔ عنیزہ نے نظر چرالی۔ ملک ارسلان کو اپنے سوال کا جواب مل چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

عنیزہ، ملک ارسلان کے بازو پہ سر رکھے لیٹی اداس تھی۔ وہ انہیں مسلسل تسلیاں دے رہے تھے۔

"دیکھو تمہارے اور زیان کے درمیان چند برسوں کا فاصلہ نہیں ہے بلکہ یہ فاصلہ صدیوں کا ہے۔ ہمیں ان وجوہات کا سراغ لگانا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے دل میں دوری آئی ہے۔ اس کے شکوے، شکایت اس کا نامناسب سرد رویہ اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ لیکن وہ تمہاری مجبوری کو اس وقت نہیں سمجھ سکتی کیونکہ وہ بچپن سے جو دیکھتی سنتی آئی ہے اس کا اعتبار ان باتوں پہ زیادہ ہے۔ تمہیں صبر اور محبت سے کام لینا ہوگا۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ محبت سے پتھر پگھل جاتے ہیں، جانور مطیع ہو جاتے ہیں وہ تو پھر بھی انسان ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ سے ڈسکس کر کے میرا دل و دماغ پر سکون ہوگئے ہیں۔" وہ مسکرا دیے۔

"چلو اب سب پریشانیاں ذہن سے جھٹک کر سو جاؤ۔" انہوں نے عنیزہ کا سر نرمی سے تکیے پہ رکھ کر چادر ان پہ ڈالی۔

ملک ارسلان ان کے ساتھ باتیں کرتے کرتے کب کے سو چکے تھے۔ عنیزہ کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ ماضی کا سفر کرتے کرتے بہت پیچھے چلی گئی تھیں۔ اس وقت وہ صرف عنیزہ قاسم تھی۔ الہڑ، کم سن اور زندگی سے بھرپور عنیزہ قاسم۔ جس پہ ملک ارسلان بری طرح دل ہار بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

عنیزہ کتابیں سرسبز گھاس پہ رکھے، ملک ارسلان کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔

"تمہارے ابو سے بہت جلد اب ملنا پڑے گا۔" ارسلان نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟ میرے ابو سے کیا کام ہے؟" اس نے موٹی موٹی آنکھیں پوری کھول کر اس کی طرف دیکھا تو وہ جیسے ان نگاہوں میں ڈوبنے لگا۔ پتا نہیں اسے کب، کیسے کس وقت اور کہاں عنیزہ سے محبت ہوئی تھی۔ لیکن اسے یہ خبر تھی وہ عنیزہ کے بغیر جی نہیں سکتا۔

اسے شرعی طور پہ ہمیشہ کے لیے اپنا بنانے اور اس کے جملہ حقوق کو محفوظ کرنے کے لیے وہ ملک افتخار سے بات کرنے کی سوچ رہا تھا۔ اسے پوری امید تھی معاشرتی تفاوت کے باوجود بھی ملک افتخار مان جائیں گے کیونکہ وہ بہت اچھی تھی، خاندانی تھی اس کے ابو خوددار اور عزت نفس کی دولت سے مالا مال تھے۔ اس نے ملک افتخار کو راضی کر لینا تھا ورنہ ملک جہانگیر سے سفارش کروانی تھی۔

☼ ☼ ☼

شام ڈھل رہی تھی۔ زیان سو کر اٹھنے کے بعد عجیب سی کسل مندی محسوس کر رہی تھی۔ موسم گرد آلود اور حبس سا بھرا تھا۔ وہ ٹھنڈے پانی سے جی بھر کے نہائی تو سستی قدرے کم ہوگئی۔ وہ کپڑے بدل کر نیچے آئی تو عنیزہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیں۔ نمل دوسری نوکرانیوں کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ زیان ایک ثانیے کے لیے اس کے پاس رکی۔

"مما کہاں ہیں؟" اس نے استفسار کیا۔
"وہ اپنے کمرے میں ہیں۔ شاید سو رہی ہیں۔" اس کے بجائے فریدہ نے جواب دیا تو زیان نے غائب دماغی سے سر ہلایا۔ نیناں نے ایک نظر اس کے دھلے نکھرے گلابی چہرے کو دیکھا۔ جس کے گرد کھلے گیلے بالوں کا ہالہ تھا۔ سفید مومی راج ہنس جیسے پاؤں کالے رنگ کی نازک سی جوتی میں مقید تھے آج۔ ناپسندیدگی کا تیز و تند ریلا نیناں یعنی رنم کو شرابور کر گیا۔ کیونکہ سب نوکرانیوں کی نگاہوں میں رشک و ستائش کی نمایاں جھلک اس نے محسوس کی تھی۔ "میں جہانگیر انکل کی طرف جا رہی ہوں۔ مما سو کر اٹھیں تو بتا دینا۔" زیان نے انہیں مطلع کیا۔
"چھوٹی بی بی کتنی سوہنی ہیں۔" اس کے جانے کے بعد ایک نوکرانی نے تبصرہ کیا۔
"خوب صورت تو ہیں ساتھ مغرور بھی ہیں۔" دوسری نے گرہ لگائی تو فریدہ بھی پیچھے نہیں رہی ادھر ادھر دیکھ کر آواز دبا کر بولی۔
"چھوٹی بی بی بہت اتھری ہیں توبہ..... توبہ..... مجھے تو ڈر لگتا ہے۔" اس نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے۔
"جو بھی ہے مجھے تو چھوٹی بی بی بہت اچھی لگتی ہیں۔ نہ غصہ کرتی ہیں نہ کچھ کہتی ہیں نہ کسی کام کا بولتی ہیں۔" پہلی والی بولی۔
"ہاں ہیں تو بہت اچھی۔ کتنی چپ چپ رہتی ہیں۔" دوسری نے بھی فوراً" تائید کی۔
"مجھے تو نہیں اچھی لگتیں۔" رنم نے دلی تاثرات کے اظہار میں کسی بخل سے کام نہ لیا۔ تینوں اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ گڑبڑا گئی۔
"میرا مطلب ہے مجھے زیان بی بی کا غرور اچھا نہیں لگتا۔" اس نے عقل سے کام لیا تھا۔ اگر عنیزہ بیگم سے کوئی شکایت کر دیتا تو انہیں بہت برا لگتا تھا۔

☼ ☼ ☼

زیان اونچے ستونوں والے برآمدے کے پاس کھڑی تھی۔ جس کے گرد آتشی گلابی پھولوں والی نازک سی بیل لپٹی ہوئی تھی۔ وہ اس طرح اکیلی پہلی بار آئی تھی، اس سے پہلے ایک بار عنیزہ کے ساتھ یہاں آئی تھی اب جہانگیر انکل سے ملنے آئی تھی تو خود سے اندر کا رخ کرتے ہوئے جھجک سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ حویلی کا جائزہ لینے میں مگن تھی جب ایک نوکرانی کی نگاہ اس پہ پڑی وہ بھاگ کر اس کی طرف آئی۔
"بی بی جی آپ ادھر کیوں رک گئی ہیں آئیں اندر میرے ساتھ۔" وہ اس کے یہاں کھڑے ہونے پہ جیسے حیران ہو گئی تھی۔ زیان نے رکے بغیر قدم آگے بڑھائے۔ نوکرانی اسے ملک جہانگیر کے پاس چھوڑ گئی۔

وہ تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھے۔ سفید چادر ان کے سینے تک پڑی تھی۔ اے سی فل کولنگ کے ساتھ چلنے کی وجہ سے کمرے میں اچھی خاصی خنکی تھی۔ اس سمے وہ اسے بالکل امیر علی کی مانند محسوس ہوئے۔ انہی کی طرح لاچار اور بے بس۔ یہ صرف اس کی سوچ تھی ورنہ وہ لاچار اور بے بس نہیں تھے یہ تو بیماری نے انہیں کمزور کر دیا تھا۔
زیان نے اپنے دل میں جھانکا اسے بہت حیرت ہوئی کیونکہ جہانگیر انکل کے لیے اس کے دل میں کسی بھی قسم کی نفرت نہیں تھی بلکہ اس کا دل ان کی طرف کھنچا، تب ہی تو اس وقت وہ یہاں تھی۔
"انکل آپ سو رہے ہیں؟" اس نے ان کے پاس جا کر آہستہ آواز میں یہ جملہ کہا تو انہوں نے فوراً" آنکھیں کھول دیں۔
"نہیں میں سو تو نہیں رہا بس آنکھوں میں تھوڑی تکلیف تھی سو ایسے ہی بند کر کے پڑا ہوا ہوں۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔
باتیں کرتے کرتے اچانک ان کی حالت بگڑ گئی۔ سینے سے خرخراہٹ سی ملتی جلتی آوازیں آئیں۔ انہوں نے اپنے سینے پہ ہاتھ رکھا اور ان کا سر تکیے پہ ڈھلک گیا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

تمثیلہ زاہد

جیسے کو تیسا

ایک بڑا سا گھونٹ کافی کا لیتے ہی حلق کڑواہٹ سے بھر گیا۔ برائے نام دودھ اور چینی نے کافی کے ذائقے کو کڑوا اور بدمزا کر دیا تھا۔ منہ میں بھرا گھونٹ بہ مشکل میں نے اندر اتارا تھا۔
"کیسی لگی۔" میری نند نے انتہائی جوش و خروش سے پوچھا اس کی نظریں بدستور میرے اور پھر کافی کے کپ پر مرکوز تھی۔
"واہ..... زبردست۔" میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے اسے سراہا۔ دل تو چاہا کہہ دوں کہ "بی بی! اب خدا کے لیے رحم کرو اس معدے پر جس کو تم نے پچھلے دو ماہ سے تجربوں کی زد میں خراب کر رکھا تھا۔" بلا کی خوشی میری نند کے چہرے پر نظر آ رہی تھی اور میرا حلق تک کڑوا تھا۔ وہ اپنی دھن میں مگن میرے دلی تاثرات سے بے خبر اپنے ہاتھوں میں تھامی ایک لمبی چوڑی لسٹ پر نظریں گاڑے بیٹھی تھی۔ اپنے بالوں میں پھنسا بال پین نکال کر اس لمبی چوڑی لسٹ میں سے کافی کے نام پر مارک لگایا جا چکا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہماری نند نے ایک اور ڈش پر اپنی فتح کا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔
"اگلی کس ڈش کی شامت آنے والی ہے۔" میرے میاں عرفان شرارت سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔
"کل سوچ رہی ہوں کھیر بناؤں سسرال میں پہلی ڈش تو یہی بنائی ہو گی نا..... ارے ہاں یاد آیا بھابھی! آپ کو یاد ہے آپ نے جب پہلی بار کھیر بنائی تھی چینی کی جگہ نمک....." حمیرا کی بلند ہوتی ہنسی پھانس کی طرح سینے میں چبھ سی گئی۔ اس کے تضحیک بھرے انداز نے مجھے شرمندہ کر ڈالا تھا۔
وہ میرے چہرے اور چھلکتی آنکھوں سے بے خبر بولے جا رہی تھی۔ میں وہاں مزید رکے بغیر کچن میں آ گئی جہاں کی بے ترتیبی میری منتظر تھی۔ کچن کا حلیہ درست کرتے میرے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے اور دماغ ماضی کی اسکرین پر الجھا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

عرفان اور حمیرا دو ہی بہن بھائی تھے۔ عرفان کے والد کا انتقال ہارٹ اٹیک سے ہو چکا تھا وہ میڈیکل اسٹور چلاتے تھے۔ ان کے بعد یہ ذمہ داری عرفان نے اٹھالی۔ حمیرا عرفان سے پانچ برس چھوٹی اور گھر کی لاڈلی تھی۔ شادی کے ایک ماہ بعد جب میں نے پہلی بار کھیر بنائی تو کچن کی ہر چیز سے نابلد تھی۔ کھانے پکانے میں طاق نہ ہونے کے باعث کھانوں کی تراکیب سے بھی ناواقف تھی۔ پہلی بار بنائی گئی کھیر میں غلطی سے چینی کی جگہ نمک نے کھیر کو بدذائقہ بنا ڈالا تھا۔
ساس نے اس غلطی کو نظرانداز کر ڈالا تھا لیکن نند صاحبہ اپنی فطرت سے مجبور مجھے مذاق کا نشانہ بناتی رہی۔ کبھی کبھی تو مجھے ایسا لگتا تھا کہ جیسے میری نند مجھے نیچا دکھانے کے لیے ہر لمحہ مذاق کا نشانہ بنائے رکھتی

ہے۔ میں کچھ بھی بنالوں وہ اس میں کوئی نہ کوئی خامی تلاش کرڈالتی تھی۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھی گھنٹوں روتی رہتی اور میرے شوہر میری دلجوئی کرتے رہتے۔

"چھوڑو اب یہ رونا دھونا بند بھی کرو۔ اس کی باتوں کو دل پر مت لیا کرو۔ اپنی خامیوں کو درست کرنے کی کوشش کرو۔"

"عرفان! میں کتنی بھی کوشش کرلوں وہ میری پکائی ہر چیز میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور ڈھونڈ نکالتی ہے پھر سب کے سامنے میری انسلٹ کرتا جیسے اس پر فرض ہے۔ اب دیکھو آج کتنی مزے دار بریانی بنائی تھی میں نے 'بریانی تو چٹ پٹی ہی اچھی لگتی ہے۔ اب محترمہ زیادہ مرچ مسالا پسند نہیں کرتیں تو اس میں میرا کیا قصور مستقل سارا وقت شور مچاتی رہی کہ بریانی تو کھانے کے لائق ہی نہیں اس میں مرچیں بہت زیادہ ہیں۔" میں نے بلند آواز میں روتے ہوئے کہا۔

بریانی کا نوالہ منہ میں لیتے ہی حمیرا کے چہرے کے بگڑتے تاثرات اور اس پر تضحیک آمیز جملوں نے میرا خون کھولا ڈالا تھا۔ اس کا اس قدر شور مچانا مجھ سے برداشت نہ ہوا اور میں کھانا چھوڑ کر کمرے میں آبیٹھی تھی۔ شدید دکھ ہونے کے باوجود میں حمیرا سے کچھ نہ کہتی۔ میری جگہ ساس بول دیتی تھیں۔

"بیٹا رزق میں عیب نکالنا اللہ کو پسند نہیں۔ شکر الحمد للہ کرکے کھایا کرو کھانے میں برکت ہوتی ہے یہ تمہاری بہت بری عادت ہے کھانے میں عیب تلاش نہ کیا کرو بیٹا" وہ رساں لہجے میں بیٹی کو سمجھانے کی کوشش کرتیں۔

لیکن نند صاحبہ کے کانوں میں جوں نہ رینگتی۔ وہ وہی کرتی جو اس کا دل کرتا تھا بھاوج کو بے نقط سنانا جیسے اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اس کی عادت سے سب ہی واقف تھے تو سب کی طرح میں نے بھی نند کی راگنی کو برداشت کرکے سیڑھی پر قدم رکھ کر اپنی منزل تک پہنچنے کا فیصلہ کیا۔

بڑے بوڑھے کہتے ہیں وقت سب سے بڑا استاد ہے۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا گیا۔ بھلا ہوٹی وی کے کوکنگ شوز کا' جس کی بدولت میں اناڑی سے کھلاڑی بن گئی۔ میرے اندر کچھ کر دکھانے کی لگن نے مجھے بالآخر سرخرو کر ہی دیا۔ میں شادی کے تین سالوں میں ہر کھانے میں طاق ہو چکی تھی کچھ وقت نے مجھے نند کی باتوں سے لاپروا بنا ڈالا تھا' کچھ میرے بیٹے دانش نے مجھے مصروف کرڈالا تھا۔

ان تین سالوں میں حمیرا کالج سے یونیورسٹی کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ حمیرا کے رویے میں کافی لچک آگئی تھی اور کیوں نہ آتی۔ رشتے والی خالہ نے حمیرا کے رشتے کی بات چلائی اور "آنا فانا" منگنی کے بندھن سے جڑنے کے بعد حمیرا میں خوشگوار تبدیلیاں آنی شروع ہو گئی تھیں۔ وہ نند جسے کچن کا دروازہ دیکھتے ہی گھبراہٹ شروع ہو جاتی تھی اب یونیورسٹی سے آنے کے بعد اس کا رخ سیدھا کچن کی طرف ہی ہوا کرتا۔ شادی کی تاریخ جلد ہی رکھ دی گئی تھی اور جب سے موصوفہ نے سنا کہ ہونے والے شوہر کھانے کے شوقین ہیں وہ نئی نئی تراکیب اخبار و رسائل سے دیکھ کر آزماتی رہتی۔

"چلو دیر آید درست آید" عرفان ایک خوشگوار مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے بیڈ پر دراز ہو گئے تھے۔

میں نے مسکرا کر پلٹ کر عرفان کی جانب دیکھا اور اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر انہیں مزید کچھ نہ کہنے کا اشارہ کیا۔ دانش بہ مشکل میری تھپکیوں پر سویا تھا۔ میں شدید خماری آنکھوں میں لیے بے سدھ پڑے دانش کے برابر میں جھکتی چلی گئی کچھ ہی دیر میں نیند کی دیوی مجھ پر مسلط ہو چکی تھی۔ اگلے روز حمیرا کی مایوں تھی پھر ایک تھکا دینے والے مرحلے کے لیے خود کو تیار کرنا تھا۔ عرفان میری روٹین سے واقف تھے۔ وہ سارا دن مجھے تگنی کا ناچ ناچتا دیکھتے رہتے سو مجھے نڈھال سوتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے پاس پڑی چادر مجھ پہ اور دانش کو اوڑھادی۔

☼ ☼

"حمیرا۔۔۔ حمیرا۔۔۔"

"جی امی!" وہ ایسے چونکی جیسے کسی خواب سے بے دار ہوئی ہو۔

"بیٹا دھیان کہاں ہے تمہارا؟ کھانا ٹھیک سے کھاؤ نا۔" وہ اسے پلیٹ میں پڑے چند نوالے پر خالی چمچہ چلاتے ہوئے دیکھ کر تشویش سے بولیں۔

"جی میں کھا رہی ہوں۔" وہ اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

"رائتہ تو لیا نہیں تم نے' بریانی میں رائتہ ساتھ نہ ہو تو تم کھانا چھوڑ دیتی تھیں اب بغیر رائتہ کے بریانی کیسے کھالی؟" عرفان کے ٹوکنے پر وہ عجیب شرمندہ سی ہو گئی چاہتے ہوئے بھی لب ہل نہ سکے زبان تلے ہونٹ دبا لیے۔

"بس ایسی ہی بھائی! کچھ عادت بدل سی گئی ہے۔" حمیرا نے ایک عجیب نظر اپنے برابر بیٹھے رضوان پر ڈالی جو کھانا کھانے میں ایسے جتا تھا جیسے اس کا مقصد واحد یہاں آکر کھانا ہی کھانا تھا۔

"ارے کولڈ ڈرنک دینا تمہیں بھول ہی گئی" میں نے بجھی بجھی سی حمیرا کے حنائی ہاتھوں میں زبردستی کولڈ ڈرنک کا گلاس پکڑا دیا۔ جسے وہ غٹا غٹ پینے لگی۔ مجھے اس کی حالت پر ترس آرہا تھا۔ شادی کے ایک ماہ بعد میکے آنے والی یہ وہ حمیرا تو نہیں ۔۔۔ خاموش خاموش ۔۔۔ بجھی بجھی سی ہر دم اکڑ کر رہنے والی حمیرا نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔ اس کو ایک ہی رنگ میں وہ تین سال سے دیکھتی آرہی تھی۔ یہ اس کی شخصیت کا نیا روپ ٹیبل پر موجود گھر کے ہر فرد کے لیے شاکنگ تھا۔

"بھابھی! واہ مزا آگیا۔ بریانی تو غضب کی بنائی ہے آپ نے ۔۔۔ اور یہ قورمہ قسم سے بہت لاجواب ہے ۔۔۔ ایسے ذائقہ دار کھانے اپنی نند کو بھی سکھا دیتیں۔ قسم سے کل ہی کی بات ہے ہماری اماں نے اپنی بہو سے قورمہ بنانے کی فرمائش کرڈالی۔ معلوم نہیں قورمہ بنایا تھا یا شوربے میں ڈوبا گوشت ۔۔۔ ہاہاہا ۔۔۔ اب ایسے کھانے کی کون تعریف کرے گا اور تنقید محترمہ کو برداشت نہیں ۔۔۔ دیکھیے نہ کیسے غبارے کی طرح منہ پھلائے بیٹھی ہے۔" رضوان کا انداز تمسخرانہ تھا۔

حمیرا کی آنکھ میں پانی بھرنے لگا وہ منہ پھیر کے بیٹھی رہی اور رضوان اس کے بنائے ہوئے کھانوں کا مذاق اڑا رہا تھا۔ اس کے گونجتے قہقہوں کو سب ہی ہونق بنے دیکھ رہے تھے۔ گھر آئے داماد کو کچھ کہنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔

میں نے دیکھا یہ وہی ٹیبل تھی۔ جس کرسی پر آج حمیرا بیٹھی تھی کل کبھی میں بیٹھا کرتی تھی۔ اسی ٹیبل پر میرے بنائے ہوئے کھانوں پر طنزیہ فقرے اور تمکنت بھرے قہقہے اچھلتے کودتے رہتے تھے۔ آج کرسیوں کی ترتیب بدل گئی تھی۔ میرے صبر نے آج مجھے اس مقام تک پہنچا دیا تھا۔ واہ میرے اللہ! تیری مصلحتوں کو ہم نا سمجھ بندے ہرگز نہیں جان سکتے تھے۔

اچانک میں نے حمیرا کی طرف دیکھا وہ میری طرف بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے دیکھا اس کا پورا وجود معافی کا طلب گار تھا۔ ٹیبل پر رکھے دونوں ہاتھوں کو مٹھی بنا کر وہ مسلے جا رہی تھی۔ میں نے دھیرے سے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھوں پر رکھ کر تھپتھپا دیا۔ میرے ڈھارس کے نرم لمس پا کر اس کی آنکھوں کا پانی تشکر کے جذبے سے چھلک پڑا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا وجود کسی بوجھ سے آزاد ہو گیا تھا۔

زندگی کا نام امتحان ہے۔ اس شاہراہ پر تمکنت سے چلنے والے کہیں نہ کہیں ضرور ڈگمگا جاتے ہیں۔ اللہ کو عجز پسند ہے۔ جھکی ڈالی ہی ہمیشہ پھل پاتی ہے۔ بھلا سرو جیسے درخت کو کب پھل لگا کرتا ہے حمیرا سمجھ دار تھی۔ زندگی کی شاہراہ پر تمکنت سے چلتے چلتے اچانک ملنے والی ٹھوکر پر گر گئی تھی۔ وہ جانتی تھی شوہر کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے لیکن اس مرحلے پر اسے گزرنے کے لیے صبر سے کام لینا تھا۔ میں جن "مرحلوں" سے گزر کر "معتبر" کی جس کرسی پر براجمان تھی اس کے لیے حمیرا کو محنت درکار تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اس سفر میں اس کا ساتھ دینے کا مصمم ارادہ کیا۔ میرے دل کو واثق یقین ہے۔ وہ اپنے شوہر کے دل میں جلد ہی مقام پالے گی۔

آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔؟

☼ ☼